جنھیں میں نے دیکھا

نامور این ای ڈینز کے

شخصی خاکے

تحریر: انجینیئر آفتاب رضوی

این ای ڈی کی صد سالہ تقریبات پر ایک خصوصی تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ)

نام کتاب :	جنھیں میں نے دیکھا
تحریر :	انجنیئر آفتاب رضوی
مشاورت :	ناظم الدّین ناظم (کینیڈا)
سرورق :	تنویر عالم صدّیقی
گرافک ڈیزائننگ :	منظور منگی
ترتیب و کمپوزنگ :	شبّیر ابنِ عادل
تدوین و تزئین :	نِدا شیخ ۔ عماد شیخ
کیریکیچرز :	جاوید اقبال
خطاطی :	مہرشباب
رابطہ برائے کتاب :	آفتاب صدّیقی (پاکستان)
	امیر الاسلام (امریکہ)
	آفتاب رضوی (کینیڈا)

انتساب

یہ کتاب

اپنی NED کی دوست اور جیون ساتھی صوفیہ جمالی

کے نام جو اگر آج بھی مجھے کسی بات کا حوصلہ دلا دے

تو میں ناممکن کو ممکن بنا دوں

اور اپنے بچّوں

فاطمہ، بتول، معصومہ، طیّب اور نایاب کے نام

اور میرے داماد

محسن حیدر اور حامد اور اُن کے بچّوں کے نام جو میرے گھر کی رونق ہیں

ہوشیار باش

اس کتاب کی شخصیتوں کا انتخاب ایک
غیر حسّاس ادارے کے نامعلوم افراد نے کیا ہے۔
اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں آپ کا نام بھی
ہونا چاہیئے تھا تو ان نامعلوم افراد کے نام اپنی ذمّہ داری
پر تلاش کیجئے۔ ادارہ ممکنہ ردِّ عمل کا ذمّہ دار نہ ہوگا۔

شکریہ شکریہ شکریہ

این ای ڈی کے اُن تمام مرحوم اساتذہ

کے نام

جو گزشتہ 100 برسوں میں اس دُنیا سے چل بسے

لیکن ہمارے جیسے کھوٹے سِکّوں
اور مِٹی کے مادھوں کو علم کی روشنی دے گئے

اوڑھ کر مٹی کی چادر بے نشاں ہو جائیں گے
ایک دن آئے گا ہم بھی داستاں ہو جائیں گے

آفتاب رضوی

ذرا ٹھہریئے!

اس کتاب میں خاکوں کی ترتیب حروفِ تہجّی

یعنی ALPHABETICAL ORDER

میں ہے اس میں مُصنّف یا مُنتظمین کی پسند

یا ناپسند کا دخل نہیں ہے

کیونکہ

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اس کتاب کو خرید کر پڑھیں

اس کتاب کی فروخت سے حاصل ہونے والی ساری آمدنی NED کے "ماں جی" اسکالرشپ پروگرام میں آپکے والدین کے ایصالِ ثواب کے لئے دی جائے گی جس سے مزید طلبہ و طالبات انجینئر بن کر آپ کی طرح اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کریں گے اور یوں مرحومین کی منزلیں آسان ہونگی۔

آفتاب رضوی امیرالاسلام آفتاب صدیقی

کتاب کی کم سے کم قیمت

بیرونِ ملک : 25 امریکی ڈالر

پاکستان : 2 ہزار روپے

اس کتاب کی تمام آمدنی اور عطیات براہِ راست این ای ڈی
یونیورسٹی کے اکاؤنٹ میں جائے گی۔ جو کہ قرضِ حسنہ/اسکالرشپ کی صورت
میں تقسیم ہوگی۔

Donation in Pakistan

Account Name	: MA JEE ENDOWMENT FUND
Account No.	: 6-99-72-29314-714-204821
Bank Name	: Habib Metro Bank Limited
Branch	: University Road Branch, Karachi
Branch Code	: 50
Swift Code	: MPBLPKKA
IBAN No.	: PK02MPBL9972477140204821

Donation Abroad

TD Bank	: NED International Alumni Network
Routing.	: 031201360
Account	: 4342790303

پیش لفظ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب اور اس کے تحریر کردہ خاکے ان نامور NEDIANS پر مشتمل ہیں جو کہ ایک عام طالبعلم کی حیثیت سے اس درسگاہ میں آئے، تعلیم حاصل کی، عملی زندگی میں نام کمایا اور اپنا، NED کا اور پاکستان کا نام روشن کیا۔

ایک مشکل کام یہ تھا کہ اس میں کسے شامل کیا جائے اور کسے نہیں، سوال یہ تھا کہ آیا ان کو شامل کریں جنھوں نے بہت پیسہ کمایا یا جو بہت بڑے ٹیکنیکل عہدے تک پہنچے یا بہت بڑے سرکاری افسر، بہت بڑے کھلاڑی، بہت بڑے اداکار، لکھاری یا ٹی وی بلاگر بن گئے۔ اگر ان افراد کو اس کتاب کا حصہ بنایا جاتا تو پھر کتاب کا عنوان رکھنا پڑتا ''جنہیں میں نے نہیں دیکھا'' اور ان دیکھی چیزوں پر لکھنا یا تبصرہ کرنا غیبت کے زمرے میں آتا ہے۔

پھر ہم تینوں یعنی میں، امیر الاسلام اور آفتاب صدیقی سر جوڑ کر بیٹھے اور فیصلہ کیا کہ اس میں شمولیت کے لئے نہ تو بہت زیادہ پیسے والا آدمی چاہیئے، نہ ہی بہت عظیم انجینئر بلکہ اس میں انہیں شامل کیا جائے جن کا دل بہت پیسے کما کر بھی اور بہت عظیم انجینئر بننے کے بعد بھی NED کے لئے دھڑکتا ہے۔ اس کے بعد مسئلہ یہ آیا کہ ایسے لوگوں کی بھی ایک لمبی فہرست ہے اور میرے لکھنے کی بھی ایک محدود استعداد یعنی صلاحیت۔ تو ہم نے ایسے پچیس نگینے تلاش کئے جو کہ NED کے زمانے سے لے کر آج تک NED ہی کے لئے ہیں۔ اس کے لئے کام کرتے ہیں، المنائی کی محفلیں سجاتے ہیں اور اپنے خاندانی NEDIAN ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔

میری کتاب کے عنوان نے میری مشکل مزید آسان کردی ''جنہیں میں نے دیکھا''، ازخود بتا رہا ہے کہ اس میں وہ لوگ ہیں، جو میرے دل کے قریب رہے ہیں۔ اس کتاب کی تشکیل میں میرے دیرینہ ساتھی اور پاکستان ٹیلی ویژن کے عالمی ایوارڈ یافتہ پروڈیوسر ناظم الدین ناظم اور پی ٹی وی ہی کے شبیر ابن عادل اور مہر شباب کی کاوشوں کا دخل ہے جن کی عملی کاوشوں سے ہی یہ کتاب وجود میں آئی ہے۔

اس کتاب کا بنیادی خیال میرا تھا، لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے میں پاکستان سے نامور NEDIAN اور ممبر قومی اسمبلی آفتاب صدیقی اور امریکہ سے ہردلعزیز امیر الاسلام کا بہت دخل ہے۔ اس کتاب کے خاکوں کے ہر لفظ کی تحریر کی ذمہ داری میری ہے، ممکن ہے، آپ کو کچھ خاکے بے باک لگیں۔ لیکن دل سے لکھی گئی تحریر اگر دل میں جا کے نہ لگے تو ایسی تحریر کا کیا فائدہ؟ NED سے نکلنے کے بعد ان شخصیات پر کیا گزری، یہ اپنی مادرِ علمی سے کیوں محبت کرتے ہیں۔ ان کا بچپن کیسے گزرا؟ ان کے ماں باپ کیا کرتے تھے، یہ کتاب آپ کے ہاتھ آئے گی تو آپ یقیناً پسند کریں گے۔

اس کتاب کی خاص بات اس کا دیباچہ ہے، جو میرے دیرینہ دوست اور ساتھی پروفیسر صاحبزادہ فاروق احمد رفیقی نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں، پہلے حصے میں پچیس خاکے ہیں اور دوسرے باب کا عنوان ہے 'آواز دے کہاں ہے'۔ 'سوم ڈھنڈو گے اگر ملکوں ملکوں'۔ اس فہرست میں وہ لوگ شامل ہیں۔ جو زمانۂ طالبعلمی میں تو بہت مشہور تھے لیکن اس کے بعد کہیں کھو سے گئے۔

یہ تو ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ فلاں نام اس میں کیوں نہیں ہے۔ لیکن دعویٰ ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نام اس میں کیوں ہے؟ اور یہی اس کتاب کی خصوصیت ہے۔ اس پروجیکٹ کی تکمیل میں وزیر اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ، جو خود بھی ایک NEDIAN ہیں، اور ہمارے ہردلعزیز وائس چانسلر ڈاکٹر سروش حشمت لودھی کا خصوصی تعاون شامل ہے اگر یہ تعاون نہ کرتے تو یہ کتاب بھی وجود میں نہ آتی۔ کیونکہ میرا ہی قول ہے کہ NED is a blood group لیکن یہ ہم سب کا پہلا پیار بھی ہے اور میرا تو آخری بھی اسی لئے میں نے اس کتاب کو اپنی NED کی ساتھی اور اپنی رفیقِ حیات صوفیہ جمالی (آفتاب) کے نام منسوب کیا ہے۔

آفتاب رضوی

دیباچہ

لکھنے سے پہلے بہت سوچا کہ اس کو کیا عنوان دوں؟ تمہید کہوں، پیش گوئی کہوں، پیش لفظ کہوں کہ مقدمہ یا پھر دیباچہ۔ مگر خیال اسی ہی پر راسخ ہوا کہ بھولے بسرے کو یاد کرنا یا کرانا بھی ایک نیکی ہی تو ہے تو اسلئے ''دیباچہ'' ہی مناسب لگا۔ یہ تربیت بھی اُسی مادرِ علمی ہی کی تھی جس کی کوکھ میں مجھ سمیت ہم سب نے (اور جن کا تذکرہ آپ کو اس کتاب میں ملے گا) پرورش پائی۔ جس نے ہمیں چلنا اور پھر اڑنا سکھایا اور جس کی بدولت ہم آج آسمان کے تارے بنے ہوئے ہیں؛ روشن ستارے، بلکہ ''آفتاب'' بھی۔ ''آفتاب'' نے بھی تو بھولے بسروں کی یاد کروا کر نیکی ہی تو کمائی ہے۔ جس کا تذکرہ آفتاب (میرے دیرینہ دوست) نے ''شخصی خاکوں'' کے توسط سے کیا۔ ان خاکوں میں آپ کو ہر ایک کی اپنی ایک شخصیت نظر آئے گی۔ مگر ماں جائی/ماں جایہ ہونے کے ناطے چھب آپ کو ایک ہی ملے گی۔

مادرِ علمی کی عمر کے ساٹھ کے پیٹے میں صورتحال کچھ یوں تھی کہ اطرافی ماحول ادبی رنگ میں ڈھلا ہوا تھا۔ علم کی فراوانی اور قدردانی تھی، اخلاقی اقدار کی پاسداری اور وضع داریوں کا سیل رواں تھا۔ ایسے میں تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے اور روح کی آبیاری کے لئے ایک فطری ماحول میسر تھا۔ رنگ و نسل، مالی حیثیت، مذہبی رجحانات، شعبہ جاتی درجہ بندیوں اور مرد و زن کی تفریق کے حوالے کوئی حیثیت و وقعت نہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی نمایاں تفریق نظر آتی تھی تو صرف اور صرف ایک رشتہ کے حوالے سے تھی جو استاد اور شاگرد کے درمیان ہوتا ہے، کسی بھی نئے آنے والے کو اس لئے اس کی پہچان میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی۔ پھر بوجوہ ہر نیا داخل ہونے والا جب اپنی تربیت کے چار سال پورے کر کے ماں سے رخصت لیتا تھا تو وہ سات سال کے ماں جائی/ماں

جائے کو ایسے پہچانتا تھا جیسے عرب بدّو اپنے اونٹ کو پورے شجرہ کے ساتھ! ایسے ماحول میں اگر کوئی روشن چہرہ ''آفتاب'' داخل ہوتا تھا تو ظاہر ہے اس کی آب وتاب نظروں کو خیرہ کرنے والی ہی ہوگی اور یہی ہوا کہ یہ روشن چہرہ جب اس ماحول میں داخل ہوا تو ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز ہی رہا۔ اس نے مگر کانوں کان خبر نہ ہونے دی کہ وہ ہر چہرہ کو کتاب کی طرح پڑھنے کے فن سے آشنا ہے، صفحہ بہ صفحہ، لفظ بہ لفظ۔ یہ راز تو آج عیاں ہوا جب اس کے یہ ''شخصی خاکے'' منظر عام پر آئے۔ اس نے انتہائی عرق ریزی سے اُن پچیس ماں جائی / ماں جایا کی فہرست مرتب کی جن کے بارے میں اس کے دل کے نہاں خانوں میں یہ شعر گونجتا رہتا تھا:

بچھڑ کے تم سے مجھے بھی ملال رہتا ہے
یہ سچ ہے اب بھی تمہارا خیال رہتا ہے

''آفتاب'' کی وضع داری اس بات سے عیاں ہے کہ اس نے کتاب کا عنوان اسی وضع داری کو نبھانے کی خاطر یہ رکھا: ''جنہیں میں نے دیکھا'' اور اس طرح کچھ رفقاء کو اپنے شخصی خاکوں کے لئے اس طرح چنا کہ مرد وزن کا تناسب تقریباً وہی رہے جو گئے وقتوں میں مادر علمی میں عرصہ دراز تک رہا اور ساتھ ہی ان خاکوں میں اس طرح سے ان شخصیات کو پیش کیا کہ ان کے وہ وصف نمایاں رہیں جو نئے آنے والوں کے لئے قابل تقلید ہوں اور اس طرح اس چناؤ میں ان شخصیات کو ایک نمونے کے طور پر پیش کیا جو مادر علمی کی تربیت کی عکاسی کر سکے۔

اس سے یہ ہوا کہ کچھ احباب کی دل گرفتگی سے بڑے غیر محسوس طریقے سے بچنے کی راہ نکل آئی۔ اس فہرست میں جن دو اشخاص کے نام آپ ڈھونڈ رہے ہوں گے وہ اس کتاب میں ہی ایسے ہی چھپے بیٹھے ہیں کہ ''صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں''۔ یہ بھی وضع داری کا ایک اسلوب ہے جو کوئی ''آفتاب'' ہی سے سیکھے۔ یہ وضع داری بھی ان شفاف اور روشن راہداریوں ہی کی مرہون منت ہے جس کو حال کے روزن سے ''آفتاب'' نے روشن کیا۔ ہر خاکے کو پڑھنے پر آپ بھی شخصیت کے تمام تر روشن پہلوؤں کے ہوتے ہوئے جس ایک نتیجے پر پہنچیں گے وہ یہ ہوگا کہ اس ماں کی کوکھ میں آپ سمیت جس نے بھی پرورش پائی اس پر بھی یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

فصیل شہر میں پیدا کیا ہے در میں نے
کسی کے باب رعایت سے میں نہیں آیا

دوسری جانب جہاں ''آفتاب'' نے اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لئے ایک Representative sample

لیا تو دوسری جانب وہ اس بات کو بھی گوش گزار کروانے میں بھی کامیاب ہوا ہے کہ کچھ کائناتی حقائق اور سچائیاں زمان ومکان کی قیود سے ماوراء ہوتی ہیں اوراس نے بڑی عقیدت سے ان تمام اساتذہ کہ جن کی عرق ریزی سے کی گئی سعی نے مادر علمی کی ان سوسال میں خدمت کی، اپنی کتاب کو ان کے نام موسوم کر کے یہ حق بھی ادا کردیا۔ بے شک یہ بھی اس انمول تربیت کا ہی نتیجہ ہے جس کو عیاں کرنے کے لئے ''آفتاب'' نے یہ کٹھن کام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

میں نے بہت غور کیا کہ اس کام کا بیڑا آخر ''آفتاب'' ہی نے کیوں اٹھایا، وہ کون سا ایسا وصف ہے یا کون سی ایسی شخصیت تھی کہ جس نے ہمت وحوصلہ دیا، تو میں تو اس نتیجہ پر ہی پہنچا کہ ہر مرد کی کامیابی یا کامیابی حاصل کرنے کی لگن کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ''پرہیزگاری کی علامت'' بھی ہو اور ''شانِ رحمت کی تجلی'' بھی تو پھر ''آفتاب'' کو جلوہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ صوفیہ بانو جمالی (جو بلوچستان کی پہلی خاتون انجینئر ہیں اور ان کے ننہیال اور ددھیال دونوں کی قدآوری کسی سے ڈھکی چھپی نہیں) نے اس روشن چہرہ سے بیعت کر کے اپنے آپ کو صوفیہ آفتاب رضوی بنانے میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور یوں یہ راز افشاں ہوا کہ دوآتشی کیا ہوتی ہے۔

آپ کے اور کتاب کے درمیان میں حائل ہونے کی معذرت، اب آپ ان شخصی خاکوں کی سحر انگیزی کا لطف اٹھایئے۔

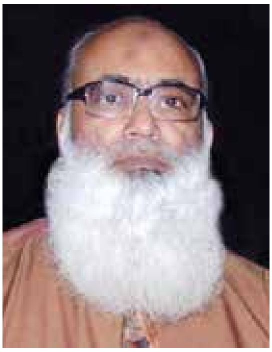

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ فاروق احمد رفیقی

پروفیسر ایمریٹس

سابق پرو وائس چانسلر این ای ڈی یونیورسٹی

بارے کچھ مصنّف کے...

تحریر: امیرالاسلام

آفتاب رضوی صاحب کی شخصیت نہ تو کسی تعارف کی محتاج ہے اور نہ ہی میری آئی پنسل میں اتنی استطاعت کہ ان کی ہمہ جہت شخصیت اور رتبے کا ادراک اور احاطہ کر سکے۔ مسئلہ لیکن یہ ہے کہ جامعہ **NED** کے فارغ التحصیل ہونے والوں کے بارے میں کوئی کتاب شائع ہو اور اس میں آفتاب بھائی کا ذکر نہ ہو تو اور کوئی ناراض ہو نہ ہو، مادرِ علمی کو ضرور ناگوار گزرے گا۔

جامعہ این ای ڈی سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں ایک قدر مشترک یہ ضرور ہے کہ وہ کسی بھی جہت یا قبیل کے ہوں، اس مادرِ علمی سے اپنی نسبت اور تعلق کو باعثِ امتیاز سمجھتے ہیں۔ پھر ایک گروہِ خاص ایسا بھی ہے کہ جس کا **NEDIAN** ہونا اس مادرِ علمی کے لئے بھی باعثِ افتخار ہے۔ آفتاب بھائی بھی اسی فہرست میں گردانے جاتے ہیں۔

آفتاب رضوی سے میرا رشتہ نہ تو دہائیوں پر محیط ہے اور نہ ہی بہت قریبی دوستی کے زمرے میں آتا ہے۔ ان سے تعلق کو استعارہ دینے کے لئے دوست کے بجائے شاید مربی کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔ لیکن پھر بھی ان سے ہر ملاقات اور گفتگو میں ایک خاص اپنائیت، خلوص اور شفقت محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بقول شخصے انہیں چھپر پھاڑ کر نوازا ہے۔ لیکن شاید ان نوازشوں میں سب سے خاص تحفہ آفتاب صاحب کی یہ خاصیت ہے کہ ہر ملنے والے ملاقات کے بعد اپنے آپ کو پہلے سے بہتر اور خاص سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہی ان کی عالمگیر مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا راز ہے۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ راولپنڈی دراصل راول پنڈ کی تانیث ہے۔ اس بات کا اگر مضمون سے کوئی تعلق ہے تو محض اتفاقی ہے۔ راولپنڈی کی مشہور سوغاتوں میں سری پائے، نہاری اور وینا ملک شامل ہیں۔ اس

شہر یا پنڈ کی ایک وجہ شہرت یہ بھی ہے کہ یہ آفتاب بھائی کی جائے پیدائش ہے۔ وینا ملک اور آفتاب بھائی کی یہ قدر مشترک بھی، خیر جانے دیجئے۔۔۔

آفتاب رضوی کی شخصیت کو دیکھ کر یہ بالکل نہیں لگتا کہ یہ کبھی بچے بھی رہے ہوں گے، بہرحال یہ طلوع آفتاب ۱۳؍ جولائی ۱۹۵۸ء کا واقعہ ہے۔ جو لوگ آفتاب بھائی کو جانتے ہیں، انہیں یہ معلوم کر کے کوئی حیرت نہیں ہوگی کہ یہ لکھنؤ کے سید گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آفتاب بھائی کے والدین کے اسمائے گرامی اخلاق حسین اور مہدی بیگم ہیں۔ کیا زیرک اور پیش بین بزرگ تھے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کا نام آفتاب رکھا۔

گورنمنٹ اسکول ناظم آباد سے ابتدائی تعلیم اس زمانے میں حاصل کی، جب ناظم آباد علم و ادب اور فنون لطیفہ کا گہوارہ تھا۔ ابن انشاء اور صادقین اسی ناظم آباد کے باسی تھے۔ تعلیم کے سفر میں اگلا قدم عبداللہ کالج میں رکھا۔ دو ہی سال کے قلیل عرصے میں آفتاب بھائی نے عبداللہ کالج کی ہیئت ہی تبدیل کر دی اور اس کے بعد کالج کو لڑکیوں کے لئے مختص کر کے وہاں لڑکوں کا داخلہ بالکل بند کر دیا گیا۔ بقول شاعر

؎ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

ہر رہگذر پر داستان نقش کرنے والے سفر کی اگلی منزل نوابشاہ کے حبیب انسٹی ٹیوٹ سے ہوتی ہوئی جامعہ NED ٹھیری

؎ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ہم جب ۸۱-۱۹۸۰ میں جامعہ NED پہنچے تو آفتاب بھائی کو فارغ التحصیل ہوئے کئی سال گزر چکے تھے لیکن ادبی اور سیاسی حلقوں میں ان کے چرچے زبان زدِ عام تھے۔ آفتاب بھائی نے NED میں صرف تین سال گزارے لیکن ان تین سالوں ہی میں انہوں نے سیاست، صحافت، مقرری غرضیکہ تمام شعبوں پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ جامعہ NED کی انجمن طلبہ کے LDS منتخب ہوئے اور ان گنت مباحثوں اور تقریری مقابلوں میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی کارروائیوں کا دائرہ کار صرف NED تک محدود نہ تھا بلکہ ان کے مضامین اور مکالمے جنگ اخبار، پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان کو بھی زینت بخشتے رہے۔

یہی نہیں، بلکہ ان تمام مصروفیات کے باوجود اس تمام عرصے میں آفتاب بھائی حصول معاش کے لئے نیشنل ریفائنری میں مستقل کام بھی کرتے رہے۔ یہ کہانی واقعی ایک خود ساختہ انسان کی کہانی ہے۔

کسی بھی انسان کے لئے جو صرف تھوڑی بہت ہی ماورائی طاقت رکھتا ہو، یہ تمام مصروفیات نبھانا تقریباً ناممکن ہی ہوگا۔ لیکن آفتاب بھائی بھی ایک الگ ہی قبیل اور معاش کے انسان ہیں۔ ان تمام ذمہ داریوں

مشاغل اور مصروفیات کے باوصف اور باوجود شعارِ قیس کو بھی پوری تندہی اور جذبے کے ساتھ اپنائے رکھا۔

اپنی شادی کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ یہ طے شدہ شادی یا arranged marriage تھی جسے انہوں نے اور بھابی نے خود طے اور arrange کیا۔ میں تو صرف یہی کہوں گا کہ یہ شادی آفتاب بھائی کی بے تحاشا سمجھ داری اور بھابی کی بے پناہ معصومیت کا بیّن ثبوت ہے۔

جامعہ NED سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تو زندگی اور دنیا نے ان کو مکمل پایا اور اپنی صلاحیتوں اور محنت کے بل پر ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے۔ جولانیٔ طبع کا لیکن کوئی علاج تو ممکن نہیں۔ 1999 میں پاکستان کو خیر باد کہہ کر کینیڈا کو مسخر کرنے کا ارادہ کیا۔ اور گزشتہ دو دہائیوں میں اس دیارِ غیر میں بھی اپنی خداداد صلاحیتوں، نیک نیتی، اور محنت سے اپنا مقام پوری طرح مستحکم کر چکے ہیں۔

یہ تو کہانی تھی، جو دنیا نے دیکھی اور جانی، لیکن اس شعلہ بیاں، بذلہ سنج، پارہ صفت مقرر، صحافی، ادیب اور تجارت کار کے روپ میں اصل آفتاب رضوی خاصی حد تک دنیا سے پنہاں ہیں۔ بقول شاعر

ے جوں جوں پڑھتا گیا تو بات کھلی
کھنچی ہوئی تھیں لکیریں کتاب میں کیا کیا

میں نے تو شروع ہی میں اعتراف کر لیا تھا کہ میں آفتاب بھائی سے بہت زیادہ واقف نہیں ہوں اس لاعلمی کو پورا کرنے کے لئے ان کے دوستوں سے رابطہ کیا اور ان کی آراء لیں، ان لوگوں سے بات ہوئی، جو ان کو چار اور پانچ دہائیوں سے جانتے ہیں۔ ہر شخص نے یک زبان ہو کر ان کی شخصیت کے متعلق جس کھلے دل اور خلوص کے ساتھ مثبت اور تعریفی باتیں کیں، وہ کسی بھی شخص کے لئے سرمایۂ افتخار ہو سکتی ہیں۔

ان ہی احباب کے توسط سے پتہ چلا کہ آفتاب بھائی ایک دریا دل اور بندہ پرور انسان بھی ہیں۔ جن کا مسلک انسان اور انسانیت کی خدمت ہے۔ بہتیری فلاحی انجمنیں اور ادارے سالہا سال سے آفتاب بھائی کی دامے، درمے، قدمے، سخنے اعانت اور امداد سے مستفید ہو رہے ہیں۔

اس مضمون کے سلسلے میں صوفیہ بھابی سے بھی بات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ آفتاب بھائی شوہر داری کے شعبے میں بھی انتہائی کامیاب ہیں۔ بھابی کی گفتار سے یہ صاف ظاہر تھا کہ چالیس سال کا یہ سفر ان دونوں نے یک قدم طے کیا ہے۔ ان کے الفاظ میں جو الفت اور احترام تھا، اس میں سچائی کے علاوہ کسی چیز کی کوئی آمیزش نہ تھی۔ آفتاب بھائی اور صوفیہ بھابی کو اللہ نے تین بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا ہے۔

تجسس کے طور پر ان کی بڑی بیٹی فاطمہ سے بھی بات کی کہ دیکھیں، ایک ایسا انسان جو دنیا میں ہر شعبے میں لوگوں کی نظروں کا محور نظر آتا ہے اس کے متعلق اس کے بچوں کی رائے کیا ہے اور والد کے روپ میں وہ کیسا دکھائی دیتا ہے۔ فاطمہ سے بات ہوئی تو ایک چھوٹے سے مکالمے میں ہی پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ آفتاب بھائی نے باپ ہونے کا نہ صرف فرض ادا کیا ہے، بلکہ نوافل بھی پورے کئے ہیں۔ ہر بچہ ہی اپنے والدین کو بہترین والدین سمجھتا ہے اور ان کی تعریف کرتا ہے لیکن اس گفتگو میں محبت اور احترام لفظ لفظ میں جھلک رہا تھا۔ اس کی بات ہی کچھ اور تھی۔

میں پہلی بار آفتاب رضوی سے ایک ادیب اور مقرر کی حیثیت سے متاثر ہوا۔ رفتہ رفتہ ان کی شائستگی، ملنساری، اور دوست پروری دیکھنے کو ملی۔ اب جو ان کی کچھ پہچان ہونے لگی تو اندازہ ہوا کہ آفتاب بھائی کی سالہا سال پر محیط یہ داستان محض راولپنڈی، کراچی اور کینیڈا کا سفرنامہ نہیں، بلکہ یہ کہانی ہے دنیا اور تجربات کی بھٹی میں ایک انسان کے سونا بننے اور سونے سے کندن اور پھر پارس بننے کی۔۔۔

☆☆☆

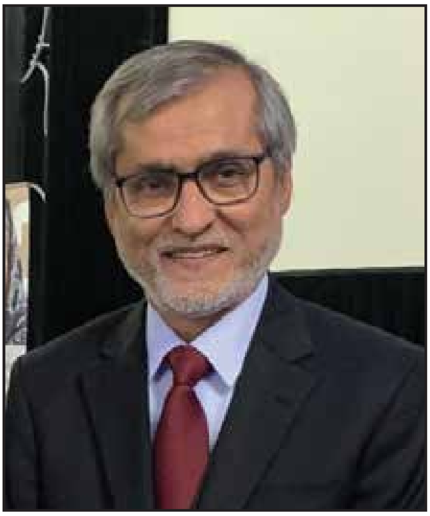

Aftab Rizvi

All QR Codes are Created by Mohsin Sohail

یہ اُن دنوں کی بات ہے

میرا این ای ڈی سے پہلا تعارف

تحریر: آفتاب رضوی

یہ واقعہ 1975 کا اور جگہ ہے، این ای ڈی کا اولڈ کیمپس۔ میرا اس کالج میں پہلے سال کا پہلا دن ہے چونکہ ہم اسی سال داخل ہوئے ہیں، لہٰذا ہم پر این ای ڈی کے ماحول اور سینئرز کی دہشت طاری ہے۔ ایف. جی خان، جو کالج کے پروفیسر ہیں، ان کا پیریڈ ختم ہوتا ہے اور نماز اور لنچ کا وقفہ آتا ہے۔ کلاس سے باہر نکل کر دیکھا تو ایک جگہ کافی طالبعلم ایک ہی طرف رخ کئے نظر آئے۔ میں چونکہ نیا نیا تھا، لہٰذا سمجھا کہ ظہر کی اذان کا وقت ہے اور طلبہ نماز کے لئے قبلہ رو کھڑے ہیں۔ میں نے اپنے برابر کھڑے بظاہر ایک سینئر طالبعلم سے کہا کہ میں ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا، ایک وقفہ دیا ایک غیر پارلیمانی جملہ ادا کر کے کہا کہ یہ جگہ نماز کے لئے نہیں ہے بلکہ سب لڑکے گرلز کامن روم کی طرف منہ کئے کھڑے ہیں۔

یہ میرا این ای ڈی کے طلبہ سے پہلا تعارف تھا، اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے بھی ظہر کی تمام نمازیں ہمیشہ باجماعت ہی ادا کیں۔ اور بعد میں اللہ نے میری عبادت قبول بھی کی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب والدین کی اولاد کے لئے ایک ہی خواہش ہوتی تھی کہ وہ یا تو ڈاکٹر بنے یا انجینئر۔ اسی لئے این ای ڈی اور ڈاؤ میڈیکل میں داخلہ سب کا خواب اور کچھ کی آخری خواہش ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ اس زمانے میں ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ آنے والے وقتوں میں ڈاکٹروں میں ڈاکٹر عامر لیاقت اور پانی سے کار چلانے والے انجینئر وقار بھی پیدا ہوں گے تو والدین کچھ اور بھی سوچ سکتے تھے۔

کہتے ہیں کہ عورت ماضی میں زندہ رہتی ہے، بچہ مستقبل میں اور مرد حال ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ اسی لئے شادی کے چالیس سال بعد بھی ہر عورت کو اپنی شادی کے ایک ہفتے بعد کی ساس کی وہ نظریں ہمیشہ یاد رہتی

ہیں کہ جب وہ تیار ہو کر نیچے اتری تو ساس نے کس طرح گھور کر دیکھا تھا۔اور شوہر بے چارہ اس کی صفائی پیش کرتا رہتا ہے۔اسی طرح کسی بھی بچے سے پوچھیں کہ وہ بڑا ہو کر کیا بنے گا تو وہ جواب دے گا کہ میں اپنی مس سے شادی کروں گا۔ رہ گیا شادی شدہ مرد تو وہ ساری عمر بیوی اور ماں کے درمیان اس tight رسے پر چلتا رہتا ہے، جیسا کوئی ماہر سرکس والا، جس کا آدھا دھڑ شیر کا ہو اور آدھا بکری کا اور اسے دیکھ کر باقی لوگ تالیاں بجاتے ہیں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے، جب گھر چھوٹے اور دل بڑے ہوتے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب دوست ایک دوسرے کے کپڑے اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتے تھے اور یہ ان دنوں کی بات ہے، جب امتحانات میں دوست کو نقل کرانا اخلاقی ذمہ داری سمجھا جاتا تھا۔

چالیس سال پہلے کسے پتہ تھا کہ ایک وقت گھر بڑے ہو جائیں گے اور کسی کا دل بھی بڑھ گیا تو وہ بیماری کہلائے گی۔دوستوں کے کپڑے برانڈڈ اور ان برانڈڈ میں تقسیم ہو گئے اور امتحان میں نقل کا انتظام سب کو اپنا اپنا کرنا پڑے گا۔

ہماری نسل کے ایف سی، میک ڈونلڈ اور پیزا ہٹ کی برگر نسل نہیں ہے بلکہ ہم اپنی چادر میں ہی خوش رہنے والے لوگ تھے، جن کے لئے برنس روڈ کے دھاگے والے کباب، محفوظ کی ربڑی، فریسکو کی مٹھائی، صابری کی نہاری اور اسٹوڈنٹ کی بریانی اس مہنگے کھانے سے اچھی تھی جو فائیو اسٹار ہوٹل میں ملتا اور یہ ان دنوں کی بات ہے، جب طارق روڈ پر ہندو کے ہوٹل کا کھانا نہ صرف مزیدار ہوتا تھا بلکہ حلال بھی سمجھا جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ آج چالیس سال بعد بھی ہم سب آپس میں اس طرح کھلے اور بندھے ہیں، جیسے برنس روڈ کے دھاگے والے کباب ہوا کرتے تھے۔

ہماری نسل موسیقی میں ''کوکورینا'' کی نسل ہے۔اکثر کا رومانس ایک ہفتے میں 'کوکورینا'' سے شروع ہو کر ''اکیلے نہ جانا'' پر ختم ہو جاتا تھا۔صبح ہمارے دوست گاتے تھے کہ

''کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے''

اور شام کو والد کا تھپڑ کھا کر یہ گاتے تھے کہ

''کچھ تو لوگ کہیں گے،لوگوں کا کام ہے کہنا''۔

پردہ سیمیں پر فلم کی اسکرین پر شمیم آراء اور زیبا کو دیکھ کر نہ معلوم دل یہ کیوں چاہتا تھا کہ فلم کبھی ختم نہ ہو۔ کچھ دوستوں کو تو وحید مراد اور سے ذاتی دشمنی تھی۔ حالانکہ اسی زمانے میں دوستوں کی دلی خواہش تھی کہ ان کیلئے

مشہور ہو جائے کہ

""منی بدنام ہوئی، ڈارلنگ تیرے لئے""۔

لیکن اس میں ڈارلنگ کی جگہ، آپ لوگ حسب توفیق آپ کا نام بھی ڈال سکتے ہیں۔

آج کی نسل تو صرف سی پیک اور چینیوں کو جانتی ہے، لیکن یہ ان دنوں کی بات ہے، جب پاکستان میں چینی صرف دندان ساز ہوتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ بغیر تکلیف کے دانت باہر کر دیں گے۔ کیا پتہ تھا کہ آنے والے وقتوں میں چینی تمام دنیا کے دانت کھٹے کر دیں گے۔

آج کی نسل کہتی ہے کہ آپ لوگ سوشل میڈیا کے بغیر زندہ کیسے رہتے تھے؟ اب بچوں کو کیا بتایا جائے کہ ہمارے زمانے میں بھی سوشل میڈیا ہوتا تھا لیکن آج کی طرح ہتھیلی یعنی موبائل پر نہیں تھا۔ بلکہ ہمارا سوشل میڈیا بندر روڈ اور صدر کی ہر وہ دیوار تھی، جس کو آپ پڑھنا شروع کریں تو شام ہو جائے۔ ہمیں اسی سوشل میڈیا سے پتہ چلتا تھا کہ آج کل کس طرف منہ کر کے بیٹھنا منع ہے، ہمیں وہی سوشل میڈیا بتاتا تھا کہ اس وقت کس محلے میں کتا کیا کر رہا ہے۔ اور یہی سوشل میڈیا بتاتا تھا کہ ایشیا سبز ہے، یا ایشیا سرخ ہے۔ چونکہ فیس بک اور واٹس ایپ نہیں تھا، لہٰذا ان ہی دیواروں سے پتہ چلتا تھا کہ کون کون سے حکیم کس علاج کے اسپیشلسٹ ہیں اور قبلہ بڑے حکیم صاحب کے کیا اوقات ہیں؟

ہر اک ہزار میں بس پانچ سات ہیں ہم لوگ
نصاب عشق پہ واجب زکوۃ ہیں ہم لوگ
دباؤ میں کبھی قافلہ نہیں بدلا
شروع دن سے محبت کے ساتھ ہیں ہم لوگ
یہ ہجر و جر ہمیں دیکھ کر بنایا گیا
ظہور ہجر سے پہلے کی بات ہیں ہم لوگ
ہمیں جلا کے کوئی شب گزار سکتا ہے
سڑک پہ بکھرے ہوئے کاغذات ہیں ہم لوگ

☆☆☆

این ای ڈی کے سو سال

تحریر: ڈاکٹر سعد احمد قاضی

کراچی میں واقع این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی نے سن 2021 میں اپنے قیام کے سو(100) مکمل کر لئے ہیں۔ یہ انجینئرنگ گریجویشن کرانے والی ملک کی قدیم ترین جامعات میں شامل ہے۔اس سے قبل ڈی جے سائنس کالج میں سندھ پی ڈبلیوڈی، میونسپلٹیز اور لوکل بورڈز کے کے لئے مختصر کورسز کرائے جاتے تھے۔

سندھ میں سکھر بیراج پروجیکٹ کی تکمیل کیلیے سول انجینئرز کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے ڈی جے سائنس کالج کے پرنسپل مسٹر سی ایس شاہانی نے 29 اگست 1921 کو اس حوالے سے مربوط کوششیں شروع کیں۔انہوں نے کمشنر سندھ مسٹر جیکسن کے توسط سے، جو سندھ کالجیٹ ایسوسی ایشن (سندھ میں اعلیٰ تعلیم کی فراہمی کے اداروں کی رجسٹرڈ سوسائٹی) کے صدر بھی تھے، بمبئی یونیورسٹی کو ایک درخواست بھیجی۔ تاہم بمبئی یونیورسٹی نے ان بنیادوں پر یہ درخواست مسترد کر دی کہ انجینئرنگ کالج کے قیام کے لئے مختص رقوم بہت کم ہیں اور اس امر پر زور دیا کہ انجینئرنگ کالج کے لئے بالکل الگ عمارت اور لیبارٹریز قائم کی جائیں اور وہ ایک الگ ادارے کے طور پر کام کرے۔

چنانچہ مسٹر شاہانی نے کالج کے قیام کے لئے عطیات جمع کرنا شروع کئے۔ چنانچہ پوری بائی اینڈ بیچار بائی (Puribai & Becharbai) ٹرسٹ اور وشن داس فتح چند (Vishandas Fatehchand) برادرز نے عطیات دیئے۔لیکن نادرشا ایڈولجی ڈنشا (Nadirshaw Edulji Dinshaw) نے ڈیڑھ لاکھ روپے کا سب سے بڑا عطیہ دیا۔ چنانچہ ان عطیات سے کراچی میں برنس روڈ

کے قریب ایک الگ زمین پر کالج کی نئی عمارت اور لیبارٹریز تعمیر کی گئیں۔

پہلے اس کا نام پرنس آف ویلز انجینئرنگ کالج رکھا گیا، پھر اسے تبدیل کر کے نادرشا ایڈولجی ڈنشا کی یاد میں این ای ڈی کر دیا گیا۔ 23 مئی 1923 کو کالج کا بمبئی یونیورسٹی سے الحاق کر دیا گیا۔ ابتدائی طور پر سول انجینئرنگ کا کورس شروع کیا گیا اور 78 طلبہ کو داخلے دیئے گئے۔

یکم جولائی 1923 کو مسٹر جی این گوکھلے (Gokhale) کو این ای ڈی انجینئرنگ کالج کا پہلے باقاعدہ پرنسپل مقرر کیا گیا۔ اس سے قبل رائے صاحب بھوپت رائے اعزازی پرنسپل کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔

کالج کے پہلے پروفیسر (اور وائس پرنسپل) مسٹر ایس بی جنارکر (S.B. Jannarkar) نے مسٹر گوکھلے کے ساتھ مل کر کالج کے مختلف شعبوں کی بنیادیں رکھیں اور ضروری ساز و سامان مہیا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جن میں پاور ہاؤس، بوائلر روم، ہائیڈرولکس لیبارٹری، انجن روم اور مشین شاپس کے لئے آلات شامل تھے۔

این ای ڈی انجینئرنگ کالج میں عمارتوں کے چار بلاکوں اور دو شیڈز تھے۔ مین بلاک کا نام سیٹھ فتح چند دیوان داس کھلنانی ہال تھا۔ پاور ہاؤس، الیکٹریکل اور ہائیڈرولکس لیبارٹریز اور ورکشاپس والا بلاک بائی پور بائی اور بچار بائی (Bcharbai) سے موسوم تھا۔ اس بلاک کے گراؤنڈ فلور پر مشین شاپ اور فرسٹ فلور پر (میکنیکل) ڈرائنگ ہال کا اضافہ بھی کیا گیا۔ چوتھے بلاک کا اضافہ 1945 میں کیا گیا جس کے گراؤنڈ فلور پر ایک کلاس روم اور کلرک کا آفس اور فرسٹ فلور پر ایک اور (سول) ڈرائنگ ہال تھا۔ دو مزید شیڈز بھی تعمیر کئے گئے ،ٹیکنیشنز کی تربیت کیلئے ایک میں کارپینٹری اور smithy شاپس تھیں ور دوسرے میں الیکٹریکل لیبارٹری اور انجن روم تھا۔ ان عمارتوں پر مجموعی لاگت دو لاکھ 65 ہزار روپے اور آلات (بشمول مشینری، الیکٹریکل آلات، ماڈل، اسٹیم، گیس اور تیل کے انجن، سروے اور لیولنگ کے آلات) پر چار لاکھ روپے سے بھی کم خرچ ہوئے۔ کالج کا 1922 سے 1947 تک یونیورسٹی آف بمبے سے الحاق رہا۔

قیام پاکستان کے بعد حکومت سندھ نے اسے صوبائی تحویل میں لے کر اس کا نام این ای ڈی گورنمنٹ انجینئرنگ کالج رکھا اور اس کا الحاق سندھ یونیورسٹی سے کر دیا۔ 1951 میں کراچی یونیورسٹی کے قیام کے بعد اسے کراچی یونیورسٹی سے ملحق کر دیا گیا۔

سن 1964 میں اسے شہر کے مرکزی گنجان آباد علاقے سے (جہاں اس کی توسیع ممکن نہ تھی)

جامعہ کراچی کے ساتھ واقع نئی زمین پر منتقل کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا گیا۔اس منصوبے پر عالمی بینک کی معاونت سے عمل کیا گیا، جس نے اس مقصد کے لئے دو مرحلوں میں گیارہ کروڑ 80 لاکھ روپے فراہم کئے اور سن 1975 میں کالج کو چالیس ہیکٹر رقبے پر محیط اس کے نئے وسیع وعریض کیمپس میں منتقل کردیا گیا۔

یکم مارچ 1977 کو سندھ اسمبلی کے ایک ایکٹ کے تحت اسے کالج سے این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں تبدیل کردیا گیا۔سن 1923 میں پچاس طلبہ سے شروع ہونے والے اس عظیم تعلیمی ادارے میں طلبہ کی تعداد بارہ ہزار تک جا پہنچی۔اس میں غیرملکی طلبہ بھی شامل ہیں۔

اس کی فیکلٹی آف بایومیڈیکل انجینئرنگ این ای ڈی، ایل ای جے کیمپس میں ہے۔جس کے لئے 35 کروڑ روپے کی لاگت سے زمین اور عمارت معروف مخیّر شخصیت لطیف ابراہیم جمال مرحوم نے فراہم کی۔ پرانے کالج کی عمارت میں اب بھی سٹی کیمپس قائم ہے۔ یونیورسٹی نے ضلع تھرپارکر میں انسٹیٹیوٹ آف انجینئرنگ، سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی بھی قائم کیا ہے۔

این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے پہلے وائس چانسلر اے ایم اخوند تھے۔ان کے بعد بالترتیب پروفیسر ڈاکٹر اے ٹی خان، پروفیسر ڈاکٹر جمیل احمد خان، پروفیسر ڈاکٹر محمد منیر حسن، پروفیسر ڈاکٹر اے کیو قاضی، انجینئر ابوالکلام اور ڈاکٹر ایم افضل حق وائس چانسلر رہے۔جبکہ ڈاکٹر سروش حشمت لودھی موجودہ وائس چانسلر ہیں۔

اس تاریخی ادارے میں 540 سے زیادہ ماہرین تعلیم لیکچرار اور پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔جن میں دو سو پی ایچ ڈی ہیں۔این ای ڈی یونیورسٹی 34 انڈر گریجویٹ، 54 سے زیادہ ماسٹرز اور 21 پی ایچ ڈی پروگرامز پیش کرتی ہے۔

این ای ڈی یونیورسٹی میں طالبات کی تعداد چالیس فیصد ہے، یہ دنیا کی انجینئرنگ یونیورسٹیوں میں سب سے زیادہ شرح ہے۔این ای ڈی یونیورسٹی کو پہلی خاتون انجینئر تیار کرنے کا منفرد اعزاز بھی حاصل ہے۔2019 تک اس نے ایک لاکھ گریجویٹس اور انڈر گریجویٹس تیار کئے، جو دنیا بھر میں کلیدی کردار ادا کررہے ہیں۔

این ای ڈی یونیورسٹی کا وژن پاکستان کو سماجی اور معاشی انقلاب کے قابل بنانے میں کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔جبکہ یونیورسٹی اس وقت ریسرچ کے بنیادی شعبوں پر توجہ دے رہی ہے، جن کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر اہمیت ہے۔ان شعبوں میں ۔۔۔۔ توانائی، آب وہوا کی تبدیلی، پانی، ڈیٹا سائنسز، مصنوعی

ذہانت، روبوٹس، سائبر سیکورٹی، ایڈوانسمنٹ ورچوئل، ورچوئل اینڈ augmentic reality، الیکٹرانک ڈیزائن اور بہت کچھ۔ این ای ڈی میں اسٹیٹ آف دی آرٹ لیبارٹریز ہیں۔اور چار نیشنل سینٹر آف ایکسی لینس ہیں۔ یونیورسٹی کا چھ سو سے زائد صنعتی اداروں سے رابطہ ہے۔ ہمارے ذہین طلبہ دوران تعلیم بین الاقوامی یونیورسٹیز کے تبادلہ پروگرام سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔

(انٹرویو: ڈاکٹر سروش حشمت لودھی، وائس چانسلر، این ای ڈی یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی)

''مجھے ہمیشہ این ای ڈی یونیورسٹی کے بارے میں بات کرتے ہوئے بہت خوشی ہوتی ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی اس یونیورسٹی میں لگا دی، جس کا آغاز میرے دور طالبعلمی سے آج تک۔ اور بڑی خوشی ہوتی ہے کہ یونیورسٹی مختلف شعبوں اور جہتوں میں ترقی کر رہی ہے۔ ہم نے ہمیشہ تعلیمی معیار پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ اور ہمارے ادارے کے فارغ التحصیل طلبہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں تعلیم اور تحقیق کا بہت اعلیٰ معیار ہے اور یونیورسٹی ملک کی افرادی قوت کو معاشرے کا قیمتی فرد بنانے میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ اپنے کیریئر کے دوران میں نے اس ادارے میں تحقیق کے بہت سے امکانات کا اندازہ لگایا۔ چنانچہ ہم نے تحقیقی مراکز کے قیام پر توجہ دی۔ اب تک ہم بیس ریسرچ سینٹر قائم کر چکے ہیں۔ ان میں ایسے امور پر ریسرچ کی جاتی ہے، جن میں معاشرے کے مسائل اور ان کا مستقبل شامل ہوتے ہیں۔ آئی ٹی اور کمپیوٹر کا بنی نوع انسان کی ترقی میں کلیدی کردار ہے۔ یہ صرف کمپیوٹر انجینئرنگ اور کمپیوٹر سائنسز تک محدود نہیں ، بلکہ یہ سول، میکینیکل انجینئرنگ اور انجینئرنگ کے دیگر شعبوں تک وسعت ہے۔ اسی لئے ہماری نظریں مستقبل پر ہیں اور ہم نصاب بھی تبدیل کر رہے ہیں اور اس پر پوری توجہ ہے۔ تا کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جا سکے۔ نہ صرف اپنے معاشرے کے لئے ، بلکہ پوری دنیا کے لئے۔ چونکہ این ای ڈی کی پہچان ہی یہی ہے''۔

اس کی اعلیٰ معیار فیکلٹی اور اسٹاف کی انتھک محنت سے اس کے ہزاروں طلبہ اور فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی بدولت دنیا کے کونے کونے میں این ای ڈی کا نام روشن ہوتا رہے گا۔

☆☆☆

بابِ اوّل

جنھیں میں نے دیکھا

۱۔ آصف رضوی	آٹوموبیل انڈسٹری کا ہیرو	2
۲۔ آفتاب صدیقی	NED کی شان اور میرا مان	10
۳۔ احمد علی	نصف صدی کا قصہ	16
۴۔ احمد فاروق بازئی	چٹان سے زیادہ مضبوط	22
۵۔ اسلم صدیقی	صدیقی خاندان کا لاڈلا	28
۶۔ اسماء علی، ڈاکٹر	ایک نہتی لڑکی	34
۷۔ اسماء مسعود ہاشمی	ہمت کی مثال	36
۸۔ اشرف حبیب اللہ	ایک درویش اور قلندر	44
۹۔ افضل حق، ڈاکٹر	خاموش طوفان	50
۱۰۔ اکبر یونس انصاری	ایک انقلابی	56
۱۱۔ امان اللہ حنیف	انسان دوست شخص	62
۱۲۔ امیر الاسلام	ہمارا امیر	68

بابِ اوّل

جنھیں میں نے دیکھا

۱۳۔ تنویر عالم ملک	ہفت زبان	74
۱۴۔ راشد علی بیگ	NED کا شیر	80
۱۵۔ سروش حشمت لودھی، ڈاکٹر	ایک مضبوط انسان اور سربراہ	86
۱۶۔ سہیل بشیر	ترقی پسند باریش اور لیجنڈ	92
۱۷۔ سید عمران احمد	NEDAC کی آن	98
۱۸۔ سید مراد علی شاہ	این ای ڈی کا محسن	104
۱۹۔ صفوان شاہ	شاہوں کا شاہ	110
۲۰۔ فرحت عادل	مکمل عادل	116
۲۱۔ فردوس شمیم نقوی	ہمارا چمپئن	122
۲۲۔ کمال مہدی	باکمال مہدی	128
۲۳۔ مختار زیدی	یاروں کا یار	134
۲۴۔ نازلی خان	ماواں ٹھنڈیاں چھاواں	140
۲۵۔ نیلوفر حمید	دادا کا فخر	146

☆☆☆

بابِ دوم

آواز دے کہاں ہے

۱۔ ارشاد سلیم	امریکہ میں سب کا محسن	55
۲۔ ارشد جاوید	زندہ جاوید	158
۳۔ اقبال کھتری	ایک تھا لیڈر	162
۴۔ انیس پایا	سن 78 بیچ کا باپو	164
۵۔ ثمینہ اعظم	میری بہن	168
۶۔ جاوید داؤد شیخ	باکمال لوگ، لاجواب پرواز	172
۷۔ جاوید زیدی	ایک سچا سرخا	176
۸۔ جمال شاہد، میجر جنرل (ریٹائرڈ)	سرحدوں کا محافظ	180
۹۔ عارف ستار	نیڈا کا ستار	184
۱۰۔ عبدالکریم طائی	شجر سایہ دار	186

بابِ دوم

آواز دے کہاں ہے

۱۱۔ سردار حنیف	ایک تھا سردار	190
۱۲۔ سیما انصاری	انجینئرنگ کا فخر	194
۱۳۔ شاہد میر	آئی ٹی کا بادشاہ اور سروں کا میر	198
۱۴۔ شہزاد قاسم	ایک بیوروکریٹ اور انجینئر	202
۱۵۔ فاروق عاربی	ایک پرانا چاول	206
۱۶۔ فرقان صدیقی	ہمارا اپنا	210
۱۷۔ مبشر اسلم قدوائی	پروگریسوز کا مان	214
۱۸۔ محمد حسین	گفتار کا بادشاہ	218
۱۹۔ محمد علی پاشا	موروثی سیاستدان	222
۲۰۔ ندیم منظور	ایک انجینئر لکھاری	226

☆☆☆

باب سوم

ڈھونڈو گے اگر مُلکوں مُلکوں

۱۔ ابوالاسلام	Mom's Boy	233
۲۔ الکاظم المنصور	جیوٹیک کا بے تاج بادشاہ	238
۳۔ انس جمال ہاشمی	NEDIAN-NA کا مان	242
۴۔ سلیم اظہر	معمار کراچی	246
۵۔ سید آصف محمود	ایک سچا پاکستانی	250
۶۔ شکیل الزماں خان	معمار NED	254
۷۔ محمد خلیق نجمی	تعلیم کا محافظ	260
۸۔ محمد علی (تاؤ)	فارماسیوٹیکل انڈسٹری کا ہیرو	264
۹۔ ندیم یونس	ٹیلی کام انڈسٹری کا تاج	268

☆☆☆

بابِ اوّل

جنھیں میں نے دیکھا

آٹوموبیل انڈسٹری کا ہیرو

آصف رضوی

میکینکل انجینئرنگ۔1978

آٹوموبیل انڈسٹری کا ہیرو

آصف رضوی

میں سوچتا ہوں کہ یہ خاکہ کہاں سے شروع کروں،
محبت کی یادگار اور تاج محل کے مسکن آگرہ سے،
جہاں ان کے والد پیدا ہوئے
یا کلکتہ سے جہاں سے انہوں نے مشرقی پاکستان ہجرت کی۔
لیکن پھر میں سوچتا ہوں کہ بھرت پور کا تذکرہ کیوں نہ کروں،
جہاں سے آج سے 80 سال پہلے ان کی والدہ نے اپنی برادری میں پہلی تعلیم یافتہ خاتون کا درجہ حاصل کیا اور تانگے کی سواری اور پردے میں رہ کر آگرہ جا کر امتحانات دیئے اور بی اے انگریزی پاس کیا۔
اور پھر فارسی اور اردو میں بھی عبور حاصل کیا اور اس کے بعد ایم اے اردو بھی۔
یہ تذکرے اس لئے بھی ضروری ہیں کہ کسی بھی بچے کی پرورش میں ماں باپ کے اطوار، عادات، تعلیم اور تربیت ہی اس کو آدمی سے انسان بناتی ہے،
میں جس انسان سے آپ کو ملوا رہا ہوں، وہ ہمارے اور آپ کے لئے اجنبی نہیں، وہ ان کے لئے بھی اجنبی نہیں، جو 1970 کی دہائی میں بین الکلیاتی مباحثوں میں شریک ہوتے تھے اور وہ NED کیلئے بھی اجنبی کیسے ہوسکتا ہے،
جس کی انگریزی زبان کے مباحثوں میں شمولیت نے NED کیلئے چاندی کی چمکدار ٹرافیوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

اور وہ آج کی دنیا کے ہر اس شخص کے لئے بھی اجنبی نہیں،
جس نے پاکستان کی سڑکوں پر ٹویوٹا کرولا اور KIA گاڑیاں چلائی ہیں۔
چونکہ یہ دونوں کار پلانٹس لگانے میں ان کا اہم کردار ہے۔
اب تجسس ختم کرتے ہیں اور آپ کو ملواتے ہیں، اس شخصیت سے جنہیں ہم سب آصف رضوی کے نام سے جانتے ہیں۔

آصف رضوی 1953 میں پیدا ہوئے گو کہ والدین پہلے ہی سے چٹا گانگ میں مقیم تھے۔اور پھر اگلے 17 برس وہیں کے ہو رہے۔تمام زندگی انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کی، کیتھولک مشنری اسکول میں تعلیم کے دوران انہوں نے اسکولوں میں بین المذاہب احترام کیا ہوتا ہے، اس کو سیکھا کیونکہ ان کے کیتھولک اسکول میں ہندو، کرسچین، سکھ اور مسلمان سب ساتھ پڑھتے تھے۔
نہ کسی کا مذہب خطرے میں پڑتا تھا اور نہ ہی کھانے پینے کے برتن الگ ہوتے تھے۔
اور نہ ہی کسی کے معاملات میں ٹانگ اڑائی جاتی تھی اور نہ ہی کسی کو ٹانگ اڑانے کی اجازت دی جاتی تھی۔
اور یہ رویہ آصف کی شخصیت کا حصہ بن گیا۔
تمام زندگی نہ کسی کے ذاتی معاملات میں مداخلت کی اور نہ ہی کسی کو یہ اجازت دی کہ وہ آصف کے ذاتی معاملے میں دخل دے۔
گویا ان کے ذاتی معاملات ہمیشہ حساس اداروں کی طرح با احترام اور خفیہ رہے۔
آصف جب بھی اپنے چٹا گانگ کے قیام کو یاد کرتے ہیں تو جذباتی ہو جاتے ہیں۔1965 سے پہلے کا مشرقی پاکستان، سنہری ریشے کا پاکستان۔
بہتی ندی اور لہلاتے کھیتوں کا پاکستان،
جہاں ہر طرف محبت اور اخلاص بکھرا ہوا تھا۔
اپنے گھر کے باہر بنگالی پاڑے سے گزرتے ہوئے
ٹینس کھیلنے جاتے اور اس بات سے بے فکر کہ یہ ایک اردو اسپیکنگ شخص ہیں۔
لیکن وقت نے کروٹ لی اور صرف پانچ سال بعد بنگالیوں کی سرزمین غیر بنگالیوں پر تنگ ہو گئی۔
جگہ جگہ ہنگامے ہوئے لاشوں کے انبار لگے
اور ان لاشوں کے ڈھیر تلے وہ وضع داریاں اور محبتیں بھی دفن ہو گئیں

جو قیام پاکستان کے بعد سے لے کر اگلے پچیس سال تک بنگال کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔

اور یقیناً ان خون آشام شاموں میں مولوی فضل الحق، خواجہ ناظم الدین اور حسین شہید سہروردی جیسے بنگالی مگر مکمل پاکستانیوں کی روحیں بھی قتل کر دی گئی ہوں گی۔

اور یوں 1970 میں آصف رضوی اور ان کے خاندان کو پھر ہجرت کرنی پڑی۔ یہ ہجرت پہلی ہجرت جو کلکتہ سے کی تھی، زیادہ تکلیف دہ تھی۔ پہلی ہجرت میں آپ ایک نئے اور اپنے وطن میں جا رہے تھے،

ایک جذبے کے ساتھ۔

ایک جوان جسم اور توانا حوصلے کے ساتھ۔

لیکن دوسری ہجرت میں آپ اپنے وطن سے نکالے جا رہے تھے۔

اپنے وطن کو چھوڑنے کا دکھ تھا اور ایک بڑی برٹش فرم کے مینجنگ ڈائریکٹر جیسے عہدے اور ایک ایسے گھر کو چھوڑنے کا دکھ، جو کہ پہاڑی پر واقع تھا اور اس سے پورے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں پورے شہر پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔

1971 میں آصف کراچی آگئے اور ان کے خاندان کے واپس جانے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ جو چیز جہاں تھی، وہیں ساکت ہوگئی۔

اور کراچی میں ایک کرائے کے گھر میں آ بسے۔

یہاں سے آصف کی ایک نئی زندگی شروع ہوئی۔

ماضی قریب کی خوشحالی،

ایک بڑے گھر کا سکون،

باپ کی مالی اور سماجی حیثیت،

ماں کا سکون سب خلیج بنگال میں بہہ گیا۔

اب ایک نیا شہر، نئے لوگ، نئی معمولی ملازمت، کم آمدنی میں گھر کا خرچ چلانا ان کے والدین کا منتظر تھا۔

اب یہاں سے کہانی کا دوسرا رخ شروع ہوتا ہے،

جس کی بنیاد آگرہ اور بھرت پور میں رکھی گئی تھی۔ وہ بنیاد تھی تعلیم کی بنیاد۔ تعلیم یافتہ شخص سے سب کچھ چھینا جا سکتا ہے، لیکن تعلیم نہیں۔ جو آپ کے دماغ کی ایک ایسی کھڑکی کو کھول دیتی ہے۔ جس میں حوصلہ ہی حوصلہ ہوتا ہے، آگے بڑھنے کا حوصلہ، پیچھے نہ دیکھنے کا جذبہ اور آگے ہی آگے جانے کا جذبہ۔

آصف نے انٹرمیڈیٹ ڈی جے سائنس کالج سے پاس کیا اس زمانے میں پری انجینئرنگ کے لڑکوں کے خوابوں کی سرزمین ڈی جے کا پڑوس NED ہوا کرتا تھا۔ یہ والدین کی تربیت تھی کہ پھر ماضی کو یاد ضرور کیا۔
لیکن اپنی طاقت بنایا،
کمزوری نہیں۔

یوں کھیل، مباحثے، سیاست، لکھنے پڑھنے میں آصف نے قد نکالنا شروع کیا۔ نہ معلوم کتنے مباحثے جیتے، سندھ کلب کے ٹینس چمپئن رہے۔

1973 کی اسٹوڈینٹس یونین میں لٹریری اینڈ ڈیبیٹنگ سیکرٹری کے الیکشن میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیئے جوان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

بی ای میکینیکل میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور NED کو کالج سے یونیورسٹی کا درجہ دلانے،
پھر NED کو NED کے نام پر رکھنے کی جدوجہد کرنے والوں میں آصف رضوی کا نام بھی شامل ہے۔

1978 میں اپنی فرسٹ کزن نشاط سے شادی کی اور ان کی زندگی مزید نشاط انگیز ہوگئی۔

1979 میں امریکہ آگئے، 80 میں میکینیکل انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا۔ اور پھر یونیورسٹی آف منی سوٹا سے ایم بی اے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ماسٹرز اور ایم بی اے میں دس سال کا وقفہ ہے۔

آصف کہتے ہیں کہ ان کی شخصیت میں ماں اور باپ دونوں کا عکس موجود ہے۔ انہوں نے اپنی ماں سے خواب دیکھنا سیکھے اور ساتھ میں یہ بھی کہ ایک خاص لگن سے ان کی تعبیر کیسے پائی جاتی ہے۔
والد سے کردار کی پختگی، نظم وضبط اور جو کام شروع کیا جائے،
اسے نہایت تندہی سے مکمل کرنے کا جنون۔

ان خصوصیات نے نہ صرف آصف کو ''دی آصف رضوی'' بنا دیا بلکہ آٹوموبیل انڈسٹری کا بے تاج بادشاہ بھی۔ آصف کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ کینیڈا میں نئے امریگرنٹس ہونے کے باوجود دس سال تک ایک کمپنی کے President رہے اور کمپنی کو کامیابیوں کی منزل پر پہنچا کر کمپنی نفع کے ساتھ فروخت کردی۔ یہ کارنامہ بھی شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ ورنہ نیا ملک، نئے لوگ اور نئی مارکیٹ آپ کے قدم پکڑ لیتی ہے۔

پاکستان میں اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا بیشتر حصہ ٹویوٹا کار اور کیا موٹرز کے ساتھ گزار دیا۔ اپنی تمام تر کامیابی کی بدولت انہیں انسٹیٹیوٹ آف انجینئرز نے 2018 میں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دیا، اکیڈمی آف انجینئرز نے 2017 میں فیلوشپ دی اور سن 2021 میں یہ پاکستان کے ٹاپ پرفارمنگ سی ای اوز میں شامل ہوگئے۔

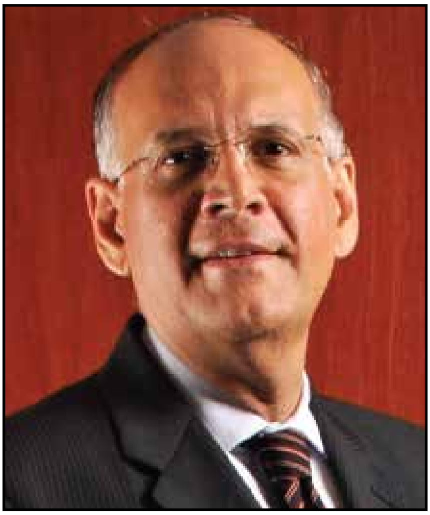

Asif Rizvi

اپنی دو بیٹیوں اور بیگم کے ساتھ ایک نہایت خوشگوار زندگی پاکستان ، کینیڈا اور امریکہ کے درمیان گزار رہے ہیں۔

آصف اپنی عملی زندگی میں نہایت سنجیدہ آدمی ہیں۔ان سے عام آدمی کو بات کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔لیکن جب یہ **NEDIANS** کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو اندر سے وہ معصوم بچہ باہر نکل آتا ہے۔جو چٹا گانگ کے پہاڑی والے گھر سے اچھلتا کودتا خالی میدان اور بنگالی پاڑے سے گزرتا ہوا ٹینس کھیلنے جایا کرتا تھا۔اور اگر **Batch 78** کے ساتھ ہوں تو پھر بات ہی کچھ اور ہوتی ہے

آصف رضوی کی زندگی دراصل کہانی ہے، دو ہجرتوں کی۔

آصف کی کہانی ہے، بنگال اور کراچی کی آسائشوں اور تکلیفوں کی۔

اور آصف رضوی کی کہانی ہے،

ان عظیم ماں باپ کی،

جن کی بھر پور توجہ نے آصف کو ایک ایسے انسان میں تبدیل کر دیا،

جس نے تعلیمی اور پھر عملی میدان میں بہت سوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ کسی بھی شخصیت کے بنانے میں نہ تو پیسہ کام آتا ہے،

نہ خاندان کا نام،

نہ بڑا گھر، نہ بڑا بینک بیلنس۔

لیکن اگر ماں باپ کے پاس تعلیم ہو،

کردار ہو اور آپس میں محبت ہو

تو پھر پیدا ہونے والی اولاد آصف رضوی ہی کہلاتی ہے۔

آصف تم ہمارا، **NED** کا اور **Batch 78** کا فخر۔

☆☆☆

آفتاب صدیقی

سول انجینئرنگ۔1982

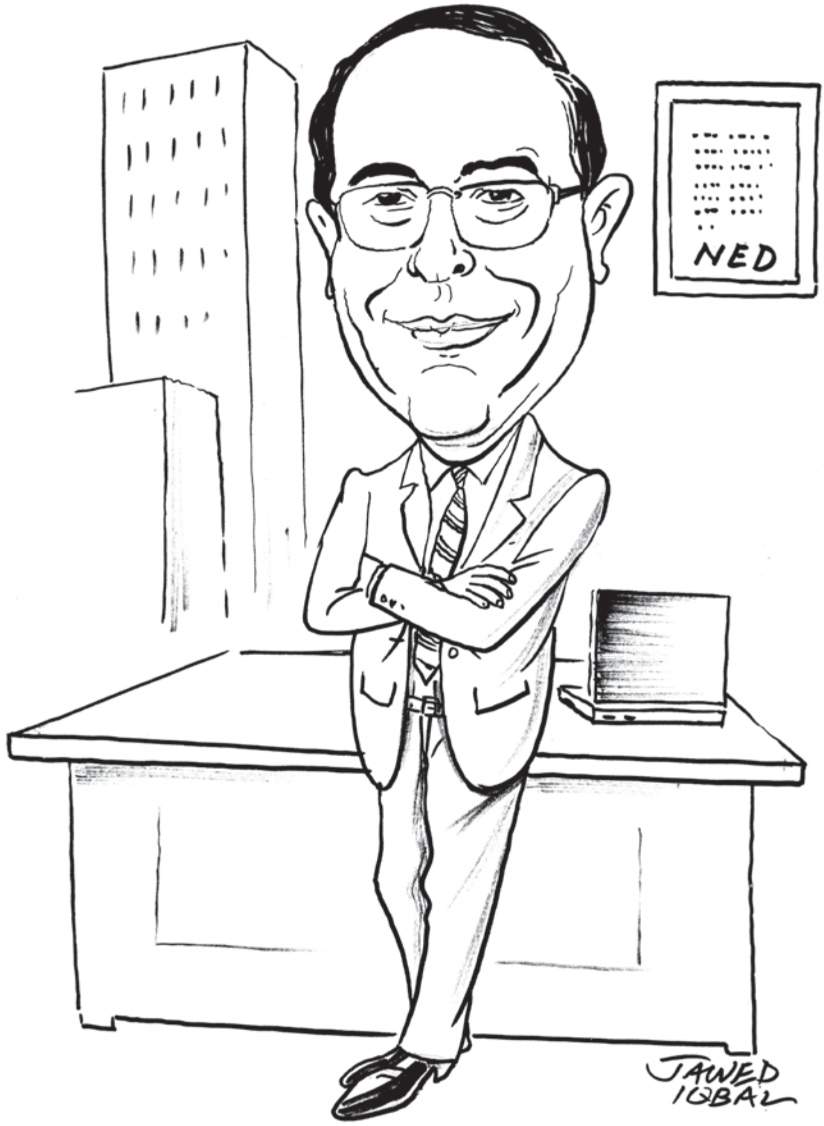

این ای ڈی کی شان اور میرا مان

آفتاب صدّیقی

روم کے فاتح جرنیل جولیس سیزر نے 46 قبل مسیح میں رومن امپائر کو فتح کرنے کے بعد رومن سینیٹ کو ایک خط لکھا، جس کی ایک لائن ایسی ضرب المثل بنی کہ آج تک مشہور ہے۔ وہ لائن ہے کہ

I Came, I Saw and i Conquered

NED میں کی جس شخصیت سے آپ کو ملوا رہا ہوں، اس کے لئے بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ **He came, He saw and He conquered**۔ اور اس شخصیت کا نام ہے: آفتاب صدیقی۔

آفتاب صدیقی، شاہد حسین صدیقی اور شاہ جہاں صدیقی کے ہاں ایک ایسی تاریخ کو پیدا ہوئے، جو عرفِ عام میں بڑے لوگوں کی تاریخ پیدائش شمار ہوتی ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح ہوں، کینیڈا کے مقبول وزیراعظم جسٹن ٹروڈو یا بھارت کے اٹل بہاری واجپائی، مصر کے انوار السادات ہوں یا الجزائر کے بن بیلا یا ہلٹن ہوٹل کے بانی کونرڈ ہلٹن۔ موسیقار نوشاد ہوں یا اداکار سنتوش کمار۔ سب ہی کی تاریخِ پیدائش وہی ہے، جو آفتاب صدیقی کی یعنی 25 دسمبر۔

آفتاب صدیقی 25 دسمبر 1958 کو کراچی میں پیدا ہوئے اور اسی 25 دسمبر کو پاکستان کے ایک اور سابق وزیراعظم نواز شریف بھی پیدا ہوئے۔ لیکن چونکہ ان کا برتھ سرٹیفکٹ کیلبری فونٹ میں قطر سے جاری ہوا ہے اسلئے ہم انہیں فی الحال اس فہرست میں شامل نہیں کر رہے۔

آفتاب کا شمار بھی کراچی میں پلنے اور بڑھنے والے ان بے شمار مڈل کلاس افراد میں ہوتا ہے۔ جو سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں میں دھکے کھا کھا کر پڑھتے ہیں لیکن اپنے خاندان اور اپنے ملک کا نام

روشن کرتے ہیں۔ آفتاب نے گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول سے میٹرک کیا اور پھر گورنمنٹ سپر یئر سائنس کالج سے انٹرمیڈیٹ۔ اپنے سات بہن بھائیوں میں پانچویں نمبر پر ہیں۔

NED آنے کے بعد آفتاب صدیقی کی دنیا بدلنی شروع ہوئی، اسکول اور کالج کی روایتی سختی اور والدین اور بڑے بھائیوں کی کڑی نگرانی، جو این ای ڈی میں داخلے سے قبل موجود تھی، آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور آفتاب نے قد نکالنا شروع کیا۔

کہتے ہیں کہ آپ کے سب سے بڑے حریف، آپ کے سب سے قریبی ہوتے ہیں۔ خواہ وہ دوست ہوں یا رشتے دار، لاشعوری طور پر وہ آپ کو اپنے سے آگے نہیں دیکھنا چاہتے۔ یہ صفت اور خاصیت صرف والدین کی ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خود سے آگے دیکھنا چاہتے ہیں لیکن یہ اس وقت تک ہوتا ہے، جب آپ ان کے برابر چل رہے ہوں۔ دنیا کی رِیت یہ ہے کہ آگے نکل جانے والے اور نام کمانے والے یہ سب اپنے ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ

Success has many fathers, but defeat is an orphan

کالج کے زمانے میں لاابالی پن، کھیل کود، سیاست سے دلچسپی اور ایک دوسرے کو مختلف نام دینا اور پکارنا ہی لڑکپن کا حسن ہے اور اسی طرح چلتے چلتے یہ پی ایس ایف کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ اور پھر طلبہ یونین کے انتخاب میں آرٹ سیکرٹری۔ ان کی یونین بھی عجیب لوگوں پر مشتمل تھی جن میں تقریباً سب ہی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آفتاب صدیقی کی سنگت ایسے لوگوں میں تھی، جو کچھ کرنا چاہتے تھے، طلبہ کے لئے، نظام کے لئے اور ان کے لئے جو زمانے میں **under privileged** کہلاتے ہیں۔

زمانہ طالبعلمی میں **active** ہونے کے جہاں بہت فائدے ہیں وہاں ایک فائدہ اضافی ہے کہ والدین کو اچھا رشتہ تلاش نہیں کرنا پڑتا۔ اور اس کام میں لڑکا خود ہی اپنے ماں باپ کی مدد کر دیتا ہے۔ آفتاب صدیقی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، اپنی ایک ہم جماعت پر توجہ دی اور عہد کرلیا کہ شادی اسی سے کریں گے۔ چونکہ انسان شناس تھے، لہٰذا اس کام میں بھی غلطی نہیں کی۔ ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا، جس میں ایک اچھی بیٹی، اچھی بیوی اور ایک اچھی ماں بننے کی ساری صلاحیتیں تھیں اور وقت نے ثابت کیا کہ شہناز کا انتخاب ایک اچھا انتخاب تھا اور یوں 1982 میں انجینئرنگ کی اور اس کے چار سال بعد سن 86 میں زندگی بھر کے لئے قید ہو گئے اور شہناز سے شادی ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کی زندگی میں کسی اور کی قسمت بھی شامل ہوتی ہے تو آپ کے ستارے

تبدیل ہوجاتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ آفتاب کے ساتھ بھی ہوا، اب آفتاب ایک مختلف آفتاب تھے۔ جہاں ہاتھ رکھ دیں، مٹی کو سونا بنا دیں۔ 1991 میں پیرا گون کنسٹرکشن شروع کی اور اپنے ابتدائی پانچ سال میں کنسٹرکشن میں وہ مقام حاصل کیا جو اس انڈسٹری میں برسہا برس میں بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

انسان کی زندگی میں بیٹیاں نہ صرف خوشیاں اور رنگ لاتی ہیں بلکہ برکتوں کا نزول بھی۔ یہی کچھ شہناز اور آفتاب کے آنگن میں بھی ہوا، ماشاءاللہ چار بیٹیاں انعم صدیقی، مریم صدیقی، سارہ صدیقی اور عائلہ صدیقی نے ان کی زندگی میں رنگ بکھیر دیئے۔ ہر بیٹی کی آمد پر آفتاب نے کامیابی کا ایک نیا زینہ اور ایک نئی منزل عبور کی، اب تین بیٹیاں شادی شدہ ہیں۔ پاکستان، کینیڈا اور برطانیہ میں خوشحال زندگی گزار رہی ہیں اور چوتھی بیٹی عائلہ بزنس پڑھ رہی ہے حالانکہ اسے بزنس پڑھنے کے بجائے ماں باپ سے سیکھنا چاہئے۔

آفتاب ماشاءاللہ، اپنی حیثیت میں اتنے بڑے آدمی ہیں کہ کچھ لوگوں کی سوچ سے بھی آگے، لیکن چونکہ ذہین ہیں لہذا جب کاروبار عروج پر پہنچا دیا تو فیصلہ کیا کہ اب کاروبار اللہ سے کیا جائے، اللہ سے کاروبار کا فائدہ یہ ہے کہ آپ اس کی ذاتِ گرامی پر جو خرچ کرتے ہیں وہ نفع سمیت آپ کے پاس خود بخود واپس آجاتا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور وہ اپنے وعدے کا سچا ہے۔

سیاست میں آنے کے باوجود اپنا پیسہ ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں، اپنی جیب سے اپنے حلقے کے کام کرتے ہیں، سڑکیں بنواتے ہیں۔ یہ ان میں سے نہیں، جو حکومت کی گرانٹ کا انتظار کریں۔ اس رویے نے ان کی عزت، دولت اور شہرت میں مزید اضافہ کر دیا ہے اور ایک ایسی مثال قائم کی ہے، جس کی نقالی کرنا آج کے بونے سیاستدانوں کے بس کی بات نہیں۔

کسی دانا کا قول ہے کہ انسان کی انسانیت کی پہچان یہ ہے کہ اس کے دوست کتنے پرانے ہیں اور ملازم کتنے پرانے ہیں۔ انسان کی قیمت یہ دوست اور ملازم ہی لگاتے ہیں۔ اس اصول پر بھی آفتاب صدیقی کو پرکھا جائے تو آپ کو حیرت ہوگی کہ ان کے ساتھ اکثر وہ افراد ہیں جو سن 1991 میں کمپنی شروع کرتے وقت تھے اور آج بھی ہیں۔ اور دوست تو اتنے پرانے ہیں کہ اتنی پرانی تو آپ کی کسی سے دشمنی بھی نہ ہو۔

آفتاب صدیقی NED آئے، انہوں نے دیکھا اور فتح کر لیا، اپنے کاروبار میں آئے، اسے دیکھا اور فتح کر لیا اور پھر آخر میں سیاست میں آئے، این اے 247 سے پاکستان تحریک انصاف کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ گویا سیاست کے کارزار میں بھی He came, He saw and He conquered۔ جب تک آفتاب صدیقی جیسے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں، مصروفِ خدمت اور عمل

ہیں،کون کہہ سکتا ہے کہ پاکستانی سیاست کا مستقبل تاریک ہے۔آفتاب جہاں بھی جائے گا،آفتاب ہی رہے گا جوکہ تاریکی کا سینہ چاک کردیتا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے۔

ہے افق سے ایک سنگ آفتاب آنے کی دیر
ٹوٹ کر مانند آئینہ بکھر جائے گی رات

آفتاب،تم این ای ڈی کی شان اور میرا مان ہو۔

☆☆☆

Aftab Siddiqui

احمد علی

سول انجینئرنگ۔ 1971

نصف صدی کا قصہ

احمد علی

NED اپنے قیام سے لے کر اب تک ان گنت ایسے طالبعلم اور سپوت اس دنیا کو دے چکا ہے، جنہوں نے نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ادارے اور ملک کا نام بھی روشن کیا۔ این ای ڈی سے فارغ التحصیل طلبا وطالبات اس نام کے عشق میں ایسے مبتلا ہوئے کہ اس نام کو اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جوڑ کر ایک رشتہ سا بنا لیا۔ اسی رشتے میں بندھے ایسے بہت سے لوگ ہیں، جو اب پاکستان میں تو نہیں لیکن این ای ڈی سے جڑے اسی رشتے کو اب تک نبھا رہے ہیں۔

میری مراد آج سے پچاس برس قبل یعنی 1971 میں سول انجینئرنگ میں فارغ التحصیل احمد علی صاحب ہیں، وہ نصف صدی کا قصہ ہیں، دو چار برس کی بات نہیں۔ احمد علی این ای ڈی کے اُس وقت کے طالبعلم ہیں، جب طلبہ کی مجموعی تعداد صرف ایک سو پچاس ہوا کرتی تھی۔ این ای ڈی اولڈ کیمپس، ڈی جے کالج، ایس ایم آرٹس کالج اور ڈاؤ میڈیکل کالج اپنے وقت کے بہترین تعلیمی اداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اور میڈیکل اور این ای ڈی میں تعلیم حاصل کرنے والے نہ صرف کراچی کی کریم بلکہ فخر خاندان اور فخر محلّہ بھی ہوتے تھے۔ اور ان کے والدین اپنا سر فخر سے اٹھا کر چلتے تھے کہ ہمارے بچے NED میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

احمد علی کی پیدائش کا سال اور پاکستان کے قیام کا سال دونوں ہی 1947 ہیں، گویا 1947 میں ایک سچے پاکستانی اور ایک پکے NEDIAN نے جنم لیا۔ ابتدائی تعلیم حبیب پبلک اسکول سے حاصل کی اور پھر اسی ادارے سے ایف ایس سی بھی کیا۔ 64 میں میٹرک، 66 میں انٹر اور 67 میں NED میں داخلہ لیا۔ حبیب پبلک اسکول کا شمار اس زمانے کے ایسے اسکولوں میں ہوتا تھا، جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ

کی کھیلوں میں شرکت کی بھی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احمد علی نے پہلے حبیب پبلک اسکول اور اس کے بعد NED کے پلیٹ فارم سے دیگر کھیلوں کے علاوہ باسکٹ بال میں بھی حصہ لیا اور کپتان بن کر NED کے لئے متعدد ٹرافیاں جیتیں۔

ہر ذہین بچہ جو نصاب میں تیز ہوتا ہے، اس میں کہیں نہ کہیں ایک رائٹر، یعنی لکھاری بھی چھپا ہوتا ہے۔ بس اس کے شوق کو ایک آنچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ تحریری شوق کی آنچ ان کو کالج میگزین نے مہیا کردی اور احمد علی ایک لکھاری بھی بن گئے۔

کہتے ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آجاتے ہیں۔ NED میں 67 سے 71 کا زمانہ ایک ایسے انسان کی پرورش کررہا تھا جو کھیلوں سے شغف بھی رکھتا تھا اور کھیل یعنی اسپورٹس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آپ کو ہارنا اور جیتنا دونوں سکھاتی ہے۔ اسی کو اسپورٹس مین اسپرٹ کہتے ہیں۔ جن کو ہارنے کا ڈھنگ آتا ہے، وہ صرف جیتتے چلے جاتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ بھائی احمد علی کے ساتھ ہوا، جب وہ انجینئر بنے تو ایک مکمل انسان بھی بن چکے تھے۔

جلد ہی اُس وقت کی خوابوں کی سرزمین امریکہ آگئے۔ اور امریکہ کی مسحورکن ریاست کیلی فورنیا کو اپنا مسکن بنایا۔ یہ اس وقت کی بات جب سلیکون ویلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ جیوٹیک میں ماسٹرز کیا تھا تو کیریئر کا آغاز ایک جیوٹیکنیکل اینڈ اینوائرمنٹل فرم سے کیا۔ اور کچھ عرصے بعد اس کمپنی کو خرید بھی لیا۔

اپنے پروفیشنل کیریئر میں عروج حاصل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ نہ تو یہ دوستوں کو بھولے اور نہ ہی این ای ڈی سے رابطہ توڑا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ وہ کونسل آف پاکستان امریکن افیئرز ہو یا ورلڈ افیئرز کونسل آف لاس اینجلس یا اسلامک سوسائٹی آف اورنج کاؤنٹی۔ یہ سب جگہ اپنا لوہا منواتے رہے۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا، جب امریکی صدر بش نے انہیں وہائٹ ہاؤس میں دعوت دی۔ جو کسی بھی NEDIAN کے لئے فخر کی بات ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے جنرل پرویز مشرف کی لاس اینجلس میں ورلڈ افیئرز فورم میں میزبانی بھی کی۔ ایک سچے اور پکے NEDIAN کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنی مادرِ علمی کو نہیں بھولتا۔ یہی احمد علی نے بھی کیا۔ اور جب این ای ڈی المنائی بنانے کا وقت آیا تو فاؤنڈنگ پریذیڈنٹ المنائی ایسوسی ایشن آف سدرن کیلی فورنیا ہوئے۔ اور جب نارتھ امریکہ میں N E D I A N S کی امبریلا آرگنائزیشن ‘NEDIANS NA’ بنائی گئی تو اس کے بھی پہلے صدر منتخب ہوئے۔

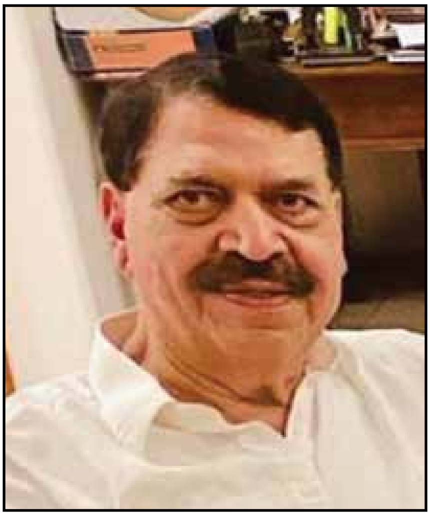

Ahmed Ali

احمد علی صاحب اپنی بیگم اور تین بچوں کے ساتھ امریکہ میں ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ بیگم نہ صرف لائف پارٹنر ہیں، بلکہ بزنس میں بھی برابر کی شریک ہیں۔ تینوں بچے انجینئرنگ اور سائنس کی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ لگتا ہے کہ احمد علی صاحب نے NED کا سفر، جو 67 میں شروع کیا تھا، وہ آج تک جاری ہے۔ کل وہ NED کے طالبعلم تھے تو آج NEDIANS کے لئے رول ماڈل۔ جب تک احمد علی جیسے این ای ڈیئن، جنہیں فارغ التحصیل ہوئے پچاس سال بیت گئے، زندہ ہیں، اور NEDIANS کے درمیان موجود ہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ سابق طلبہ کی تنظیموں کا مستقبل تاریک ہے۔ احمد علی NED کی روشن کی ہوئی وہ شمع ہیں، جس کی روشنی نئے آنے والے طلبہ کی رہنمائی اور انہیں نیا حوصلہ اور ہمت بخشتی رہے گی۔ یہ سچ ہے کہ احمد علی نصف صدی کا قصہ ہیں، دو چار برس کی بات نہیں۔

☆☆☆

چٹان سے زیادہ مضبوط

احمد فاروق بازئی

سول انجینئرنگ۔1982

چٹان سے زیادہ مضبوط

احمد فاروق بازئی

پاکستان کا رقبے کے اعتبار سے سب سے بڑا صوبہ بلوچستان ہے اور اگر پسماندگی کے لحاظ سے دیکھیں تو اس میں بھی یہ سب سے بڑا شمار ہوگا۔ تعلیم اور روزگار کا فقدان اس کی شہرت ہے۔ بلوچستان سنگلاخ پہاڑوں، ریگستانوں اور بعض اوقات گرم مزاج رکھنے والا ایک صوبہ ہے۔ ہر طرف قبائلی سردار اور جہاں سردار نہیں، وہاں قبائلی مزاج۔ آپ نے بھی سنا اور پڑھا ہوگا کہ یہ قبائلی سوچ ہی ہے جو بلوچستان کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں کرنے دیتی۔ لیکن آپ نے شاید یہ غلط سنا ہے۔ یہ سوچ کسی مخصوص طبقے کی تو ہوسکتی ہے لیکن ان بلوچوں اور پشتونوں کی نہیں، جو خواب دیکھتے ہیں اور خوابوں پر عمل کرتے ہیں اور خوابوں کی تعبیر تک جاگتے رہتے ہیں۔

ایسے ہی بازئی خاندان کے اللہ داد خان نے 1935 میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ کوئٹہ چھوڑ کر ژوب منتقل ہوجائیں اور وہ اپنی اہلیہ، بیٹا حبیب اللہ خان اور بیٹی کے ساتھ برٹش انڈیا کے زمانے میں ژوب ملیشیا میں شامل ہوگئے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ کوئٹہ سے نکلتے ہی وہاں 1935 کا ہولناک زلزلہ آتا ہے اور یہ ہجرت اس خاندان کو ایک نئی زندگی دیتی ہے۔

ژوب ملیشیا میں کام کرنے والے اس شخص کے خوابوں کی تعبیر کا پہلا مرحلہ اپنے بیٹے حبیب اللہ خان کی تعلیم اور پھر فوج میں شمولیت ہے۔ تو یہ خوابوں کا سلسلہ اور تعبیر کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ تعلیم کی جو شمع انہوں نے روشن کی تھی، وہ روشنی بن کر حبیب بازئی کے آنگن میں اتر چکی تھی۔ ان کی پانچ اولادیں تھیں، تین بیٹیاں اور دو بیٹے۔ اور دادا کے خواب کی تعبیر بھی کہ ان پانچ اولادوں میں تین لڑکیاں ڈاکٹر اور دونوں لڑکے

انجینئر بنے۔ اور امریکہ اور انگلینڈ سے تعلیم حاصل کی۔

ایسے ہی ایک سپوت کو جس نے تمام کہاوتیں بدل کر رکھ دیں، ہم اور آپ احمد فاروق بازئی کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ بلوچستان انجینئرنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ سرحد کے قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں میراں شاہ کے علاقے میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر بورڈنگ اسکول، کوہاٹ گئے۔ والد صاحب فوج کی ملازمت کی وجہ سے مختلف علاقوں میں پوسٹنگ پر رہے، اور حبیب اللہ خان نے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بورڈنگ اسکول میں داخل کروایا تاکہ ملازمت میں تبادلے بچوں کی تعلیم میں رکاوٹ بن کر ان کے خوابوں کو چکنا چور نہ کردیں۔ فاروق گرامر اسکول میں گئے اور سینئر کیمبرج اور اس کے بعد 1976 میں فیڈرل گورنمنٹ کالج سے ایف ایس سی پاس کیا۔

اب ایک اور خواب کی تکمیل کا وقت آ گیا، NED میں داخل ہو گئے۔ تمام ترقی پسند طلبہ کی طرح ان کا انتخاب بھی پی ایس ایف رہا اور 81-1980 میں اسٹوڈینٹس یونین کے سوشل سیکرٹری منتخب ہو گئے۔ یہ وہی Batch ہے، جس میں یونین میں رہنے والے تمام لوگ زندگی میں کسی نہ کسی اہم منصب پر فائز رہے۔ وہ راشد علی بیگ ہوں یا امان اللہ حنیف، سہیل بشیر ہوں یا آفتاب صدیقی۔ 1982 میں NED سے سول انجینئرنگ میں ڈگری لی اور پھر یونیورسٹی آف مشی گن میں داخلہ لیا۔ لیکن بعض مالی مجبوریوں کی وجہ سے امریکہ نہ جا سکے۔ لیکن وہ پختون ہی کیا، جو ہمت ہار بیٹھے۔ انہوں نے اس کو اللہ کی مرضی جانا اور پھر اللہ نے تین سال بعد ان کی سن لی اور 1985 میں یو ایس ایڈ کی اسکالرشپ پر اسی یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔

فاروق بازئی کو جو چیز دوسروں سے ممتاز کرتی ہے، وہ ان کے مقصد کی لگن، ہمت نہ ہارنے کی عادت، کتاب سے لگاؤ اور وطن سے بے انتہا پیار ہے۔ پاکستان سے باہر رہ کر محبِّ وطن بننا اور ڈالر کمانا زیادہ آسان ہے، بجائے اس کے کہ اپنے وطن میں رہ کر اس کے گن گائے جائیں۔ فاروق بھی امریکہ سے پاکستان آ گئے اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے مارچ 2007 میں گورنر بلوچستان نے انہیں بلوچستان انجینئرنگ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کر دیا جس عہدے پر یہ اب تک فائز ہیں۔

بلوچستان انجینئرنگ یونیورسٹی جو کبھی چند سو طلبہ پر مشتمل ہوا کرتی تھی، آج دس ہزار سے زائد طلبا وطالبات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کی رگوں میں ایک ایسی ماں کا خون دوڑ رہا ہے، جو کبھی اسکول نہیں گئی لیکن تین بیٹیاں ڈاکٹر اور دو بیٹے انجینئر بنا دیئے۔ اسی طرح انہوں نے اور ثمینہ نے، جو 1994 میں ان کی زندگی کا حصہ بنیں، اپنے بیٹے دانیال کو سول انجینئر اور بیٹی فریحہ کو جو فائنل ائر ایم بی بی ایس میں ہے،

Ahmed Farooq Bazai

ڈاکٹر بنانے کی ٹھانی۔ بدقسمتی سے 2008 میں کچھ دھمکیوں کی وجہ سے انہوں نے بیگم اور بچوں کو کینیڈا منتقل کردیا، اوران کو وہاں settle کرنے کے بعد پاکستان واپس آگئے۔

پھر جب ان کے بیوی بچوں نے ان سے اصرار کیا کہ پاکستان چھوڑ کر کینیڈا شفٹ ہو جائیں تو فاروق نے ایک بار پھر پاکستان میں رہ کر محبّ وطن ہونے کو ترجیح دی کیونکہ یہ جانتے تھے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے۔ انہوں نے اپنی جامعہ میں خدمات کی خاطر اپنے خاندان کو واپس بلوالیا۔ آج جب کوئی یہ کہتا ہے کہ بلوچستان میں علیحدگی پسند رہتے ہیں تو فاروق بازئی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ سکتے ہیں کہ نہیں، محبّ وطن رہتے ہیں۔ فاروق بازئی نے ژوب کی سنگلاخ چٹانوں سے اور میراں شاہ کی قبائلی سرزمین سے جو سفر شروع کیا اور جس لگن سے آگے بڑھے، اس نے اس تاثر کو بالکل ختم کردیا کہ چھوٹے شہروں اور علاقوں کے رہنے والے شہری علاقوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

فاروق بازئی نے تعلیمی میدان میں اور پھر تدریسی میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، اب تاریخ کا حصہ بن کر ہمیشہ آنے والی نسلوں کو اپنی روشنی سے منور کرتے رہیں گے۔ فاروق آپ ہمارا فخر ہیں۔

☆☆☆

صدّیقی برادران کالاڈلا

اسلم صدّیقی

سول انجینئرنگ۔1984

صدّیقی برادران کا لاڈلا

اسلم صدّیقی

1961 کا ذکر ہے کہ شاہد حسین صدیقی اور شاہ جہاں صدیقی، جنہوں نے قیام پاکستان کے ایک سال بعد یعنی 1948 میں ہجرت کی، ان کے ہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوتا ہے، جس کا نام اسلم صدیقی رکھا جاتا ہے۔ اسلم اپنے پانچ بھائیوں اور دو بہنوں میں چھٹے نمبر پر ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جو گھرانے کثیر العیال ہوتے ہیں، وہاں تمام بچوں کی یکساں تعلیم اور نگہداشت والدین کے لئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔اور اس میں وہی کامیاب ہوتے ہیں، جن میں آپس میں ذہنی ہم آہنگی اور ایک دوسرے کا احترام اور رشتوں کا تقدس موجود ہو۔اسلم کے والدین ان تمام خصوصیات سے مالا مال تھے، اور ان کی توجہ اور محبت کا صدقہ ہے کہ تمام بہن بھائی نہ صرف تعلیم یافتہ ہیں، بلکہ اپنے اپنے گھروں میں والدین کا عکس بنے ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔

کراچی میں پرورش پانے والے زیادہ تر بچوں کی ابتدائی تعلیم کسی سرکاری اسکول اور کالج میں ہوتی ہے۔جنہیں عرفِ عام میں ''پیلا اسکول'' کہا جاتا ہے۔ایسے اسکولوں سے فارغ التحصیل ہونے والے بچے عملی زندگی میں وہ کمال دکھاتے ہیں کہ انگریزی میڈیم میں پڑھنے والے بچوں کا رنگ بھی پیلا ہو جاتا ہے۔

کراچی کی گلیوں اور سڑکوں پر کرکٹ، ہاکی، فٹبال، گلی ڈنڈا، کنچے کھیلتے اور پتنگ بازی کرتے کرتے یہ لڑکا نہ جانے کب بڑا ہو گیا اور گورنمنٹ اسکول ائرپورٹ سے میٹرک اور پھر سپریئر سائنس کالج سے انٹرمیڈیٹ بھی امتیازی نمبروں سے پاس کرلیا۔چونکہ ریاضی میں بہت اچھے تھے، اس لئے این ای ڈی میں داخلہ کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ان کے بے تکلف دوست ان سے یہ کہتے ہیں کہ حساب زندگی میں ان کا پورا گھر ہی

بہت اچھا ہے۔اور کسی بھی حساب میں صدیقی برادران فیل نہیں ہو سکتے۔

1984 میں NED سے گریجوٹ ہوتے ہیں، اور پھر عملی زندگی میں داخل ہوجاتے ہیں۔ انجینئرنگ کا ریزلٹ آنے سے قبل ہی اسٹوڈینٹ ویزے پر امریکہ آتے ہیں اور ماسٹرز کرتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے، جب والدین یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ ان کے پیروں میں شادی کی زنجیر بھی باندھ دی جائے۔ 1987 میں پاکستان آتے ہیں اور ان کے والدین ان کو ایک نہایت وضع دار اور ذہین خاتون شنیلا سے متعارف کراتے ہیں۔

اسلم شکل سے چاہے بھولے اور سیدھے دکھائی دیتے ہوں لیکن پہلی ملاقات ہی میں یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان خاتون کے ساتھ بقیہ زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ 1988 میں اپنے فیصلے کی تجدید کے لئے دوبارہ آتے ہیں، پھر وہی ہوا، جس کا ڈر خواتین سے ملاقاتوں کے بعد ہوتا ہے، 89 میں ان کی شادی ہوجاتی ہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ ان کی زندگی کی کامیابی میں ان کے خاندان، ان کی بیگم کے بعد اگر کسی کا نام آتا ہے تو وہ اے آئی انجینئرز کے ابوالاسلام کا ہے، جنہوں نے سن 1981 میں NED سے گریجویشن کی۔ ابوالاسلام نہ صرف انجینئر ہیں بلکہ NED کے بے شمار لوگوں کے لئے ایمپلائمنٹ ایجنسی بھی۔ اسلم صدیقی نے 1994 میں ان کو جوائن کیا اور آج تک وہیں موجود ہیں، جو دونوں کی NED سے محبت اور مستقل مزاجی کی دلیل ہے، NED المنائی امریکہ کا شاید ہی کوئی عہدہ ہو، جو اسلم صدیقی کے پاس نہ رہا ہو۔ 2018 کے واشنگٹن ڈی سی کے کنونشن میں پرائڈ آف پرفارمنس بھی لے چکے ہیں۔ 1992 سے ابوالاسلام کے شہر فارمنگٹن، کنکٹی کٹ میں اپنی نصف بہتر شنیلا، اپنے بیٹے روحیل صدیقی اور بیٹی نیہا صدیقی کے ساتھ مقیم ہیں۔

اسلم اپنی شکل وصورت سے کم عمر اور اتنے بھولے بھالے لگتے ہیں، کہ اگر آپ کو ان کی عمر کا اندازہ نہ ہو تو آپ کو گمان ہوگا کہ گویا ان کے اپنے رشتے کی تلاش جاری ہے۔ اسلم کی اہلیہ نہ صرف ایک اچھی بیٹی، اچھی ماں اور ایک اچھی بیوی ہیں، بلکہ ایک نہایت مترنم آواز کی حامل گلوکارہ بھی ہیں۔ اور این ای ڈی کے ہر فنکشن میں ان کی گلوکاری ایک لازمی جزو ہے، جس کے بغیر تقریب ادھوری محسوس ہوتی ہے۔

میری دعا ہے کہ اسلم صدیقی کی زندگی کی کہانی اپنی بیگم کی رس گھولتی آواز کے ساتھ کبھی ختم نہ ہو۔ اور یہ دونوں اپنے والدین اور اپنے وطن کا نام روشن کرتے رہیں۔ اسلم سمجھتے ہیں کہ NED نے ان کی زندگی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور چونکہ کراچی کے اکثر طلبہ غریب اور متوسط طبقے کے گھرانوں سے آنکھوں میں خواب سجائے NED آتے ہیں۔ یہ درسگاہ نہ صرف ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، بلکہ آنے والے وقتوں

Aslam Siddiqui

میں ایسا سرفراز کرتی ہے کہ وہ فخر NED، فخر پاکستان اور فخر خاندان بن جاتے ہیں۔

اسلم صدیقی سمجھتے ہیں کہ وہ NED کے مقروض ہیں اور اسی لئے سابق NEDIAN کی حیثیت سے NED کا قرض اتارنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور شمالی امریکہ میں المنائی کو زندہ رکھنے والوں میں شامل ہیں۔ اللہ کا کلام بالکل سچ ہے کہ احسان کا بدلہ صرف احسان ہی ہے۔ جب تک NED کے طلبہ میں اپنی مادرِ علمی کے بارے میں یہ سوچ موجود ہے، اُس وقت تک اسلم صدیقی جیسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔

☆☆☆

ایک نہتّی لڑکی

ڈاکٹر اسماء علی

سول انجینئرنگ۔1994

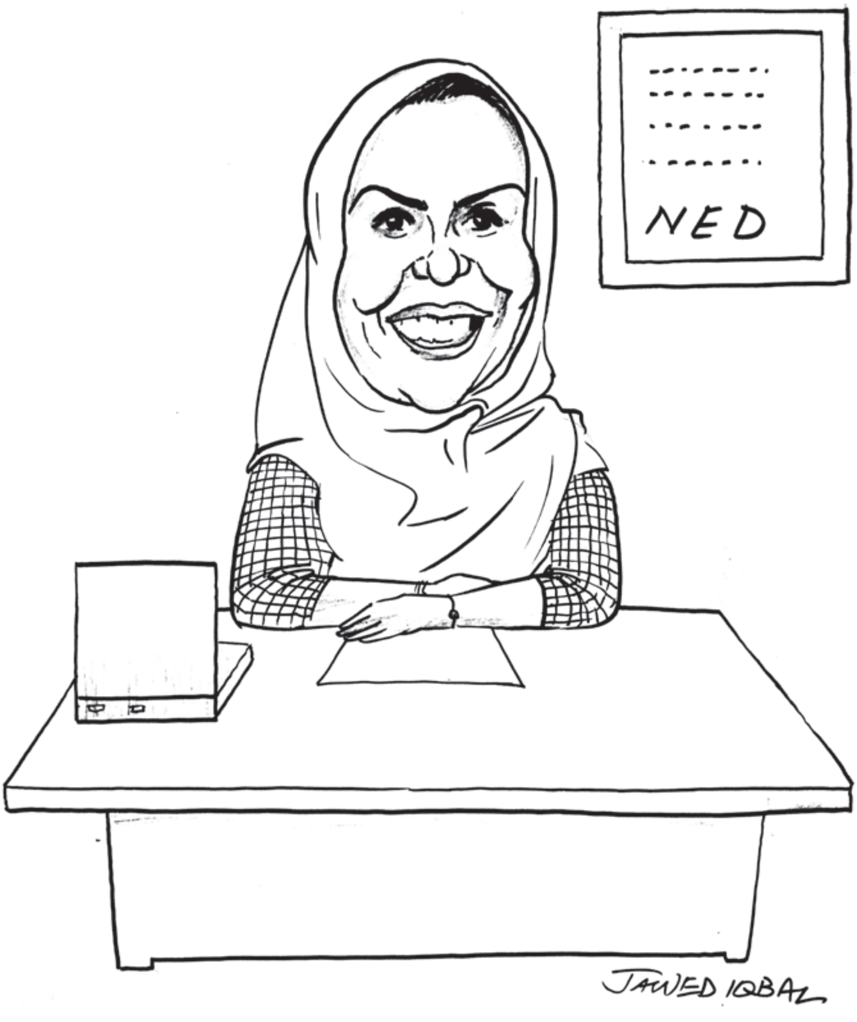

ایک نہتی لڑکی

ڈاکٹر اسماء علی

حبیب جالب نے کہا تھا کہ ''ڈرتے ہیں بندوقوں والے ایک نہتی لڑکی سے''۔اور پھیلے ہیں ہمت کے اجالے ایک نہتی لڑکی سے۔۔۔میں بھی ایک ایسی ہی بہادر اور نہتی لیکن ہمت والی لڑکی سے آپ کا تعارف کروا رہا ہوں۔ جو اس کتاب کی سب سے کمسن شریک ہے، اور سب سے جونیئر ساتھی بھی۔ جس کا نام ہے ڈاکٹر اسماء علی۔

اسماء علی کراچی کی ایک ایسی جوائنٹ فیملی میں پیدا ہوئیں، جہاں انکل، آنٹی اور کزنس ہر طرف موجود تھے۔اسماء 8 نومبر کو پیدا ہوئیں اور اس طرح Scorpion ٹھیریں۔Scorpion کی خصوصیت ہے کہ ان کی شخصیت میں اخلاص، دوسروں سے غیر مشروط محبت اور انتھک محنت شامل ہیں۔اسماء بھی ان تمام خصوصیات کی مالک بنتی چلی گئیں۔ یہ کہتی ہیں کہ میں ایک ایسی سر پھری لڑکی تھی کہ خاندان کی شادی کی تقریبات بھی اگر اسائنمنٹ جمع کرانا ہو تو چھوڑ دیتی تھی۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتی ہیں کہ ان کے اندر تعلیم کا شوق ان کے والدین کی طرف سے آیا اور خاص طور پر ان کی ماں نے اس بات پر بھرپور توجہ دی کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور یہی ہوا۔اسماء پہلے سینٹ جوزف کالج گئیں اور پھر ایف ایس سی امتیازی نمبروں سے پاس کرنے کے بعد NED میں داخل ہو گئیں۔ یہ اپنے خاندان کی پہلی فرد تھیں، جو NED یونیورسٹی میں داخل ہوئیں اور ثابت کر دیا کہ یہ خاندان کی نڈر Scorpion ہیں۔

ہر طالبہ یا طالبعلم کی طرح شروع کے چند ہفتے این ای ڈی کی دہشت کا شکار رہیں اور جب قدم جم گئے تو خود بھی NED کی دہشت گردی کا حصہ بن گئیں۔ کہتی ہیں کہ NED کے پانچ سال ان کی زندگی کے بہترین سال ہیں۔اس دوران NED ان کا دوسرا گھر بن گیا۔ سارے دوست خاندان کا حصہ، سموسے اور میک

برگر، بے بات کے قہقہے اور بعض اوقات دانشورانہ باتیں کرتے کرتے نہ جانے کب 1994 آگیا اور یہ این ای ڈی سے سول انجینئرنگ میں پاس کرگئیں۔

94 ہی میں کراچی میں ایک کنسلٹنٹ کے پاس نوکری کی اور اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی ہیں کہ پہلے ہی پروجیکٹ پر عارف حسن، ارشد شاہد عبداللہ اور حبیب فدا علی جیسے بڑے آرکیٹیکٹس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

2000 میں پاکستان سے امریکہ آگئیں اور یہاں بھی اپنی تعلیمی قابلیت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ بچپن میں چونکہ اسائمنٹ کے لئے خاندان کی شادیاں بھی چھوڑ دیتی تھیں لیکن امریکہ کا معاملہ دوسرا تھا یہاں نہ تو خاندان ہی تھا اور نہ ہی وقت ضائع کرنے کا وقت۔ اسی لئے کم عمری ہی میں جارج میسن یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا۔ اور اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی۔ امریکہ میں پڑھائی خاندان سے دوری لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے کام خود کرنے کی عادت پڑ گئی آج 2021 میں بھی امریکہ ہی میں مقیم ہیں کنسلٹنٹ کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔

NED المنائی واشنگٹن ڈی سی کے بانی ممبران میں سے ہیں۔ تعلیم اور ملازمت کے بعد اپنی زندگی NED کے لئے فنڈ ریزنگ اور اسکالرشپ پروگرام کے لئے وقف کردی ہے۔ "NED student mentor" بھی ہیں اور NED NA اور NED AELF کے بورڈ میں بھی رہ چکی ہیں۔

این ای ڈی سے محبت اور اخلاص کو نئی نسل میں بھی منتقل کر رہی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ اسماء 94 کی گریجوٹ ہیں اور اسی لئے آگے آنے والے NEDIANS کے لئے مشعل راہ ہو سکتی ہیں۔ چونکہ ان کی wave length آنے والے انجینئرز سے ملے گی اس لئے NED کے افق پر راج کرتی رہیں گی۔

میرا ڈاکٹر اسماء علی سے پہلا تعارف این ای ڈی کے کسی کنونشن میں ہوا جہاں ہمارے جیسے بوڑھوں کی موجودگی میں ایک چھوٹی سی لڑکی اسٹیج پر آئی اور چھا گئی، اس کے بعد سے اسماء ہر NED کے کنونشن کا لازمی جزو ہیں۔ ان کے بغیر المنائی کا کوئی بھی فنکشن نامکمل ہے۔

اسماء NED کی شان بنی رہیں گی، ان کی میرے خاکوں کی فہرست میں شمولیت کی وجہ ان کی NED کے لئے بے لوث محبت اور ہمہ جہت توجہ ہے۔ اسی لئے میں نے شروع میں کہا تھا کہ پھیلے ہیں ہمت کے اجالے ایک ننھی لڑکی سے۔۔۔

اور وہ ننھی لڑکی ہے، ڈاکٹر اسماء علی۔

☆☆☆

Dr Asma Ali

ہمّت کی مِثال

اسماء مسعود ہاشمی

سول انجینئرنگ۔1983

ہمّت کی مثال

اسماء مسعود ہاشمی

1960 میں مسعود احمد ہاشمی اور سلیمہ ہاشمی کے ہاں چوتھی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ایک بیٹی جو سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے بہن بھائیوں اور والدین کی آنکھ کی تارہ بن جاتی ہے۔ ان کے ہاں اس سے پہلے عارف ہاشمی، خالد ہاشمی اور ثمینہ ہاشمی، جو بعد میں ثمینہ رب بنیں، پھول کی صورت میں اس گھر میں موجود ہیں۔

اسماء کے والد ایک کامیاب بزنس مین اور پاکستان اسمال انڈسٹری کے چیئر مین تھے۔ لیکن اس سے بڑی خوبی یہ تھی کہ علی گڑھ سے تعلیم یافتہ اور دو مضامین میں ڈبل ماسٹرز یعنی جغرافیہ اور انگریزی۔ اور والدہ لاہور سے گریجوٹ۔ اسماء کی رگوں میں نہ صرف یہ کہ تعلیم یافتہ والدین کا خون دوڑ رہا تھا بلکہ اس خون میں علی گڑھ کی تہذیب، تمدن اور وضع داری بھی رگوں میں یکساں رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

اسماء کا بچپن ایک دکھ بھری داستان ہے، اور اس کے درد کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو اس دکھ سے گزرے ہوں۔

''اپنے دامن میں آگ لگے تو تپش کا پتہ چلتا ہے''

ورنہ دور سے دیکھنے والوں کے لئے آگ صرف تماشا ہوتی ہے۔ ڈھائی سال کی تھیں تو والدہ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں اور پھر جب ساڑھے تین سال کی ہوئیں تو والد بھی اس دنیا میں نہ رہے۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ اس عمر میں جب بچی اپنے ماں باپ کی آغوش سے پوری طرح مانوس بھی نہ ہوا ور وہ گودیں چلی جائیں۔ اسماء کہتی ہیں کہ وہ بجھ سی گئیں اور بڑے بہن بھائیوں کی شفقت اور نانا کی سرپرستی میں بڑی ہونے لگیں۔ لیکن لاشعور میں اسماء نے ان حالات سے لڑنے کا فیصلہ کیا اور تہیہ کیا کہ اپنے آپ کو مضبوط بنائیں گی۔

اسماء کا بچپن بھی ایسے بہت سے بچوں کا بچپن ہے، جو بچپن ہی میں والدین سے محروم ہوجاتے

ہیں۔ اسماء کی پرورش چونکہ ان کے نانا نے کی تھی، جہاں ایک بڑا کنبہ ان کے زیر کفالت تھا۔ایسے ماحول میں بچے بھی وقت سے پہلے بڑے ہوجاتے ہیں۔لیکن وہ وقت بھی اللہ نے گزار دیا۔ یوں اسماء ہاشمی اپنے گھر میں موجود بڑوں کی تربیت میں وقت سے پہلے بڑی ہوگئیں۔

1960 کے عشرے کا کراچی، ویسے بھی چاروں طرف سے ایک جیسا کراچی تھا۔ناظم آباد ہو یا پی آئی بی کالونی، پی ای سی ایچ ایس ہو یا سندھی مسلم سوسائٹی۔ ہر جگہ کا ماحول ٹھیرا ٹھیرا اور ایک دوسرے میں رس بھری مٹھاس رکھتا تھا۔ نانا نے انہیں پی ای سی ایچ ایس اسکول میں داخل کرایا، جو اس وقت کا بہترین اسکول تھا اور عمومی طور پر خوشحال گھرانوں کی بچیاں اسی اسکول میں جاتی تھیں۔اسی اسکول سے 75 میں میٹرک کیا اور پھر ایک بہت اچھے ادارے سینٹ جوزف آگئیں اور 1977 میں انٹرمیڈیٹ امتیازی نمبروں سے پاس کرلیا۔اور پھر این ای ڈی کی میرٹ لسٹ ان کی منتظر تھی۔ سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں داخل ہوگئیں۔ کہتے ہیں کہ جو لڑکیاں مخلوط نظام میں نہیں پڑھتیں، انہیں ایک دم اگر مخلوط ادارے میں داخلہ مل جائے تو انہیں پریشانی ضرور ہوتی ہے۔لیکن اسماء کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوا۔

اسماء کے اندر ایک چھپا انجینئر اور اس سے زیادہ ایک لکھاری اور ڈرامہ نگار این ای ڈی کے اس ماحول میں کیا آیا کہ اس کی صلاحیتیں اورنکھر کر سامنے آگئیں۔

عملی زندگی میں آنے کے بعد این ای ڈی میں پڑھایا بھی اور کنٹریکٹرز اور کنسلٹنٹ کے پاس ملازمت بھی کی اور پھر اس کے بعد **University of Illinos - Urbana Champage** آگئیں۔ اسماء کی تاریخ پیدائش 3 ستمبر ہے اور سیارہ **Virgo**، اس سیارے کے تحت پیدا ہونے والے لوگ کہلاتے تو شرمیلے اور خاموش ہیں، لیکن ان کے اندر ایک آتش فشاں موجود ہوتا ہے جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ایسے لوگوں میں انہونی کرنے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے اور دنیا کو حیران کرنے کی بھی۔ ایسے لوگ بہت **creative** ہوتے ہیں اور خود کو منوانا بھی جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سیارے کے تحت پیدا ہونے والوں میں صدر پاکستان عارف علوی، مشہور مزاح نگار انور مقصود، سماجی رہنما مدر ٹریسا، اداکار اکشے کمار، اور شہزادہ ہیری شامل ہیں۔ان تمام لوگوں نے ان شعبوں میں اپنا نام پیدا کیا جن کے بارے میں انہوں نے اپنے ایام جوانی میں سوچا بھی نہیں تھا۔

یوں یہ اپنے بل بوتے پر پانچ سو ڈالر لے کر امریکہ آگئیں اور ثابت کیا کہ اگر انسان میں **determination** ہو اور کچھ کرنے کی لگن ہو تو وہ زندگی کی دوڑ میں کسی سے بھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔ اسماء

Asma Masood Hashmi

نے امریکہ میں ثابت کیا کہ اعلی یونیورسٹی میں داخلہ صرف امیروں کی میراث نہیں بلکہ اس میں وہ بھی جگہ پاتے ہیں جو اپنی تعلیمی لیاقت سے یونیورسٹی کا معیار بڑھا دیتے ہیں۔ اور اس طرح اسماء نے ایک بار پھر خود کو Virgo ثابت کیا۔ امریکہ آنے سے پہلے انجینئرنگ کی، این ای ڈی میں پڑھایا، NEDIAN سے شادی کی اور ایک بڑی انجینئرنگ انڈسٹری کی مالک ہونے کے باوجود ان کے اندر چھپے Virgo نے انہیں خاموش نہیں بیٹھنے دیا۔ انہوں نے Gotham رائٹرز انسٹیٹیوٹ نیویارک سے ٹیلے ویژن ڈرامہ اور رائٹنگ کا امتحان پاس کیا اور اپنی روح کی تسکین کے لئے اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی جلا کے لئے ڈرامے تحریر اور پروڈیوس کرنا شروع کئے۔ کہتے ہیں کہ اگر آپ وہ کرتے ہیں، جس پر آپ کا دل مائل ہو تو اللہ آپ کے دوسرے کاموں میں بھی برکت ڈال دیتا ہے۔ یہی کچھ اسماء کے ساتھ بھی ہوا، انجینئرنگ تو چل ہی رہی تھی، اب ڈرامے بنانے بھی شروع کر دیئے، چونکہ یہ ان کی تخلیقی آرزو کی اندر سے اٹھنے والی آواز تھی۔

Dramatix کے نام سے 2005 میں ایک ادارہ بنایا، اس کے بینر تلے تخلیق کئے گئے ڈرامے۔ جن میں ''پہچان''، ''دل کچھ اور سمجھا تھا''، Achachamundu شامل ہیں۔ جو تامل زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں، ''Scared''۔ ان کے ڈرامے ہی ان کی اصل پہچان ہیں۔

اسماء نے ان موضوعات پر قلم اٹھایا، جو معاشرے میں عام طور پر زیر بحث نہیں لائے جاتے۔ بچوں کا جنسی استحصال ہو، یا امیگرنٹس کا مسئلہ، خواتین کے حقوق ہوں یا تعلیم نسواں، اسماء ہاشمی نے ان سب پر لکھا اور ڈرامے کے ذریعہ اگلی نسل کو منتقل کر دیا۔ یہ بھی NED کی شان ہے کہ اس نے انجینئر تو پیدا کئے ہی ہیں۔ لیکن ان ہی انجینئرز میں ایسے لکھاری بھی ہیں۔ جو ایک حساس دل رکھتے ہیں، سوچتے ہیں اور معاشرے کو بہتر سمت دکھاتے ہیں اور پھر امر ہو جاتے ہیں۔ NED کی تاریخ میں جب بھی خواتین انجینئرز اور لکھاریوں کا تذکرہ آئے گا، اس میں اسماء ہاشمی کا نام ضرور لکھا جائے گا۔

☆☆☆

ایک درویش اور قلندر

اشرف حبیب اللہ

سول انجینئرنگ۔1969

ایک درویش اور قلندر

اشرف حبیب اللہ

ایک نہایت دیانتدار اور تعلیم یافتہ باپ نے ایک شام اپنے چار بچوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور کہا کہ دنیا میں دولت، عزت اور شہرت کی بھی بہت اہمیت ہے لیکن یہ سب آنی جانی کہلاتی ہیں، اگر اس میں محبت کو بھی شامل کرلیا جائے تو ان تمام چیزوں کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ زندگی کا عظیم ترین سرمایہ بلند عمارتیں، بڑی کاریں اور بہت سا بینک بیلنس نہیں بلکہ دوسروں کی محبت، خاندان کا پیار، دوستوں کا خیال رکھنا اور اجنبی سے مسکرا کر ملنا شامل ہے چونکہ یہ خدائی صفات ہیں۔ بچوں نے یہ باتیں سنیں اور سب سے بڑے بیٹے نے اسے اپنے دماغ میں محفوظ کرلیا۔

اس عظیم باپ کا نام تھا، حبیب اللہ اور بیٹا اشرف، جس نے اس نصیحت پر عمل کیا اور آگے چل کر بن گیا، اشرف حبیب اللہ۔ جی آپ درست سمجھ رہے ہیں، ہمارے اور آپ سب کے چہیتے **NEDIAN** اشرف حبیب اللہ۔

اشرف حبیب اللہ 11 مارچ 1947 کو حیدرآباد دکن کے نہایت تعلیم یافتہ والدین کے گھر پیدا ہوئے۔ دونوں ہی نے مشہور زمانہ عثمانیہ یونیورسٹی سے ریاضی میں ماسٹرز کیا تھا۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ کتنے فیصد ماں باپ 47 میں ایسے تھے، جو آج سے پچھتر (75) سال قبل ماسٹرز ڈگری رکھتے ہوں۔ مرد تو شاید ہوں، لیکن خواتین میں اتنی تعلیم ان ہی گھرانوں میں ہوسکتی ہے، جو معاشرے میں لڑکے اور لڑکی کو برابر سمجھتے ہوں۔ اور یہ بات جانتے ہوں کہ خاندان اور معاشرے کی تشکیل میں ایک تعلیم یافتہ مرد ہی کا نہیں بلکہ ایک پڑھی لکھی عورت کا بھی اتنا ہی ہاتھ ہے اور اکثر مرد سے زیادہ بھی۔

اشرف حبیب اللہ کے والد صاحب برٹش آرمی کی ایجوکیشن برانچ میں کیپٹن تھے اور تقسیم کے بعد

پاکستان آ گئے اور کاکول ملٹری اکیڈمی میں ریاضی پڑھانے لگے اور 1948 میں آرمی ہی نے انہیں مزید تعلیم کے لئے برطانیہ بھیج دیا اور اشرف صاحب کی ابتدائی تعلیم لندن ہی میں ہوئی۔

1954 میں جب یہ سات سال کے ہوئے تو پاکستان واپس آ گئے۔فوج کی ملازمت کا گلیمر تو ہوتا ہی ہے لیکن اس گلیمر کو فوجی کی بیوی کو بھگتنا پڑتا ہے اور نبھانا بھی۔یہی وجہ ہے کہ اگلے آٹھ سال میں پے در پے تبادلے، بچوں کے اسکول، دوستوں کی تبدیلی، نئے شہر کے جھمیلے میں کراچی، نوشہرہ، پشاور، مری اور کوئٹہ کی خاک چھانتے رہے اور ہر تبادلے کے بعد اشرف حبیب اللہ کا اسکول اور دوست بھی تبدیل ہوتے رہے۔

آخر کار والد 1963 میں فوج سے کرنل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے اور کراچی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔اشرف صاحب نے سینئر کیمبرج سینٹ فرانسس گرامر اسکول کوئٹہ سے کیا۔اور ہائر سینئر کیمبرج کراچی گرامر اسکول سے۔اور آخر میں NED آ گئے۔

وہاں ایک نئے اشرف حبیب اللہ نے جنم لیا، کراچی میں مستقل قیام کے بعد والدہ بھی سینٹ جوزف کالج میں ریاضی کی پروفیسر ہوئیں اور وہیں سے ریٹائر۔ چونکہ طبیعت میں بہت چلبلہ پن اور شرارت تھی۔اس لئے جلد ہی سب کی آنکھ کا تارہ بن گئے۔سونے پر سہاگہ محمد رفیع کے گانوں نے کیا اور اسی طرح لطیفے سناتے، گانے گاتے اور ایکٹنگ کرتے کرتے 1969 میں NED سے سول انجینئرنگ کی ڈگری لے لی۔

کہتے ہیں کہ نوجوانی میں لڑکے کی نظریں دور کی بھی اچھی ہوتی ہیں اور گلی محلے میں چار پرے رہنے والی لڑکی بھی نظر آ جاتی ہے لیکن شاید یہ سمجھتے تھے کہ محبت پر پہلا حق بھی پڑوسی کا ہے اسی لئے اپنے پڑوس میں رہنے والی ایک خاتون شاہینہ اصغر کو پسند کیا، پھر ان ہی کے ہو لئے۔

ان کی بیگم ہوم اکنامکس میں ماسٹرز ہیں، اور پھر امریکہ سے فنانس گریجوٹ بھی۔حال ہی میں بینک آف امریکہ سے تیس (30) سال بعد سینئر وائس پریذیڈنٹ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئی ہیں۔

عملی زندگی میں اشرف حبیب اللہ کے کارنامے لکھے جائیں تو صفحات کم پڑ جائیں گے۔یونیورسٹی آف برکلے سے ماسٹرز کرنے کے بعد کچھ ملازمتیں کیں۔لیکن طبیعت کے اضطراب نے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔آخر 45 سال قبل کمپیوٹر اینڈ اسٹرکچر فرم قائم کی۔آج 45 سال بعد دنیا کے ایک سو ساٹھ (160) ممالک میں ان کا سافٹ ویئر استعمال ہوتا ہے۔دنیا کی شاید ہی ایسی کوئی ہائی رائز بلڈنگ ہو، جہاں سی ایس آئی کا دخل نہ ہو۔دنیا کی بے شمار جامعات میں یہ اپنا سافٹ ویئر عطیے میں دے چکے ہیں۔

دنیا کی سب سے بلند عمارت برج خلیفہ، ورلڈ ٹریڈ سینٹر نیو یارک، اولمپک برڈ نیسٹ بیجنگ کی ڈیزائننگ میں بھی سی ایس آئی شامل ہے۔ میں نے ان کی دولت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تو شروع کے ہندسے کے بعد اتنے صفر ہیں کہ انسان کو چکر آنے لگیں۔لہذا میں نے یہ کوشش ترک کر دی۔

NED کی کہانیاں مڈل کلاس لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ جو غریب گھرانوں سے آئے، انجینئرنگ کی، ملازمت کی، کاروبار کیا اور اپنا اور ملک کا نام اور NED کا نام روشن کیا۔

غریب کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ رشتہ بہت جلدی بنا تا ہے، ہر آدمی چاچا، ماما یا بھائی ہوتا ہے۔ یہ غربت کا فیض بھی ہے اور غربت کا ذریعہ بھی۔اسی غربت کے فلسفے سے بھی وہ NED سے رشتہ بنا تا ہے۔ ایسی لاتعداد کہانیاں موجود ہیں۔لیکن اگر یہی کام ایک خوشحال گھرانے کا طالبعلم کرے، جس کی ابتدائی تعلیم چٹائی والے اسکول نہیں، بلکہ انگلینڈ سے ہوئی ہو، پیلے اسکول سے نہیں، گرامر اسکول سے پڑھا ہو۔اور انگریزی میڈیم یا آج کی زبان میں برگر ہو اور NED میں آکر NED کا ہو کر رہ جائے تو یہ بڑی بات ہے۔

اشرف حبیب اللہ نے یہ ثابت کیا کہ علم، دولت، عزت، شہرت اور محبت کا ارتقا صرف سیلف میڈ لوگوں کی میراث نہیں ہے اس میں وہ لوگ بھی نام پیدا کرتے ہیں جن کے والدین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں اور مالی طور پر خوشحال ہوں، ضرورت صرف انسان کو انسان سمجھنے کی ہے۔ضرورت صرف رشتوں کی محبت اور اخلاص کی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک نارمل آنکھ اپنے سامنے آنے والی دیوار کو دیکھ سکتی ہے لیکن اللہ نے تعلیم یافتہ آنکھ کو یہ صلاحیت بھی دی ہے کہ وہ دیوار کے اس پار بھی دیکھ لے۔حبیب اللہ اور ان کی بیگم کی تعلیم یافتہ آنکھ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ بڑا آدمی کیسے بنا جاتا ہے۔اشرف حبیب اللہ نے اپنے والدین کے خوابوں کی تعبیر، ان کی تربیت کے جہد مسلسل کا انعام اور ایسا شاہکار ہیں کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود زندگی کو ایسا دیکھتے ہیں جیسے کہ پرندہ اپنی پرواز۔

انسان کی پرواز اور پرندے کی پرواز میں فرق یہ ہے کہ انسان جب اوپر جاتا ہے تو زمین سے نظریں ہٹا کر آسمان ہی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔جبکہ پرندہ چاہے جتنا اوپر چلا جائے، وہ اپنی نگاہیں زمین پر رکھتا ہے جہاں سے وہ اٹھا تھا۔اسی لئے انسان جب بلندی سے گرتا ہے تو ٹوٹ جاتا ہے اور پرندہ آسانی سے زمین پر پھر پیر رکھ لیتا ہے۔

اشرف انسانی شکل کا وہ پرندہ صفت انسان ہے، جو عزت، دولت، شہرت اور محبت میں آسمانی

بلندیوں کو چھونے کے باوجود نگاہیں زمین پر رکھتے ہیں، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ مٹی سے بنے ہیں اور مٹی ہی میں چلے جائیں گے۔

اگلے سال اشرف حبیب اللہ اپنی 75 ویں سالگرہ منائیں گے، یہ 75 سال کا سفران لوگوں کے لئے سبق ہے جو دو پیسے جیب میں آنے کے بعد فرعون اور نمرود بن جاتے ہیں۔ اشرف نے جو کمایا، اپنی صلاحیتوں سے کمایا اور ماں باپ کا نام روشن کیا۔

اشرف حبیب اللہ ہر اُس آنے والے شخص کے لئے مثال ہیں، جو دنیا کی ہر نعمت کی موجودگی کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ جو مزا محمد رفیع کے گانوں، دلیپ کمار کی فلموں، ساحر لدھیانوی کی شاعری، بندر روڈ سے کیماڑی کا نغمہ، گرلز کالج کے سامنے کھڑے ہونے کے پاگل پن میں ہے، اس کا مزاہ ہی اور ہے اور یہ آپ کو پچھتر سال کی عمر میں بھی جوان رکھ سکتا ہے۔ ان ہی کا قول ہے کہ ایک کامیاب انسان کے لئے پاگل ہونا ضروری ہے۔

اشرف حبیب اللہ کی مثال ایک ایسے شخص کی مثال ہے جو ہر وقت NED کے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت سے موجود ہے۔ میری دعا ہے کہ اشرف حبیب اللہ اسی طرح خوش و خرم رہیں۔ بیگم، اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے ساتھ۔ اسی طرح گنگناتے رہیں، زندگی کا مزا لیں۔ دوسروں کے لئے آسانیاں پید اکریں۔ شاید سرور بارہ بنکوی نے انہی کے لئے کہا ہے ؎

جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جائے وہ لوگ
آپ نے شاید نہ دیکھے ہوں، مگر ایسے بھی ہیں

اشرف حبیب اللہ ایک نامور NEDIAN، ایک قلندر اور ایک درویش کا نام ہے۔

☆☆☆

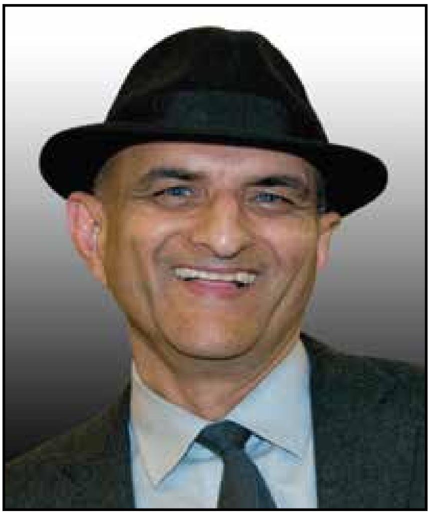

Ashraf Habib Ullah

خاموش طوفان

ڈاکٹر افضل حق

میکینکل انجینئرنگ۔ 1977

خاموش طوفان

ڈاکٹر افضل حق

یہ 26 مئی 1954 کا واقعہ ہے کہ مشرقی پاکستان یعنی موجودہ بنگلہ دیش میں فضل حق قریشی اور رضیہ خانم کے ہاں پہلی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ایک اولادِ نرینہ اور اس کا نام افضل رکھا جاتا ہے۔ افضل کے نانا برٹش انڈیا کے آئی سی ایس افسر اور والد کا گھرانہ یو پی انڈیا غازی پور کا تعلیم یافتہ ہے۔ گویا افضل کی رگوں میں ایک افسرانہ شان اور تعلیم یافتہ خون دوڑنے لگا۔

یہ افضل آگے چل کر ڈاکٹر محمد افضل بنا اور پھر NED کے نئے کیمپس سے فارغ التحصیل پہلا وائس چانسلر۔ جی، آپ صحیح سمجھے، میری مراد ڈاکٹر افضل حق سے ہے۔ افضل حق کی پیدائش مشرقی پاکستان میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں سے حاصل کی اور O-Level تک وہیں رہے۔

سابق مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش کی مٹی میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہاں کے پیدا ہونے والے بظاہر تو خاموش لگتے ہیں، لیکن اپنے اندر ایک طوفان چھپائے ہوتے ہیں، اس کا اظہار اس وقت بھی ہوا، جب مشرقی پاکستان کے باشندوں نے اپنے اندر چھپے طوفان کو بنگلہ دیش میں تبدیل کر کے دکھا دیا۔ اس سرزمین پر پیدا ہونے والے افضل، جو کہ بظاہر خاموش اور بے ضرر لگتے ہیں لیکن آپ جب ان سے ملیں اور ان کے کام کے انداز کو دیکھیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ اپنے اندر ایک طوفان چھپائے بیٹھے ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے محنت اور جد و جہد کی کسی بھی حد کو پار کر سکتے ہیں۔

افضل نے ابتدائی تعلیم مشرقی پاکستان میں حاصل کی اور پھر میر پور خاص، سندھ میں آ کر آباد ہوئے جہاں ان کی آبائی زرعی زمینیں تھیں۔ میٹرک اور انٹر سندھ سے ہی کیا اور پھر اپنے خوابوں کی تعبیر کے لئے NED کی میرٹ لسٹ پر آ گئے۔

یہ کہتے ہیں کہ یہ میرا اور میرے والدین کا شروع ہی سے خواب تھا کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کروں۔
اور NED میں داخلہ اس کا پہلا زینہ تھا۔ اور NED ہی تھا جہاں سے ایک خاموش اور شرمیلے افضل نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا اور آنکھوں میں اعلیٰ تعلیم کے خواب سجائے اولڈ کیمپس میں داخل ہوگئے۔ چونکہ کراچی کے باہر سے آئے تھے، اسلیئے میٹھارام ہاسٹل میں قیام کیا۔ ہاسٹل کی زندگی بھی عجیب زندگی ہے کہ شرمیلے کو تیز اور تیز کو تیز ترین کر دیتی ہے۔ ہاسٹل میں رہنا اور شرمیلے رہنا دو متضاد چیزیں ہیں اور لڑکا تیز ہو ہی جاتا ہے۔
NED آئے، مشرقی پاکستانیوں کا انقلابی ذہن، میرپورخاص کی سیاسی بصیرت نے انہیں پی ایس ایف کی طرف متوجہ کر دیا جہاں یہ نعرہ تخلیق ہو چکا تھا کہ

Build a better NED:
NED for NEDians

یعنی جو کرو، NED کی بہتری کیلیئے کرو۔ افضل نے اس نعرے کو اپنی گرہ سے باندھ لیا اور وقت نے ثابت کیا کہ انہوں نے این ای ڈی کیلیئے اور این ای ڈی کو بہترین تعلیمی ادارہ بنانے کیلیئے آنے والے وقتوں میں جو کام کیئے۔ وہ سنہری الفاظ کے ساتھ اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔
1977 میں نیو کیمپس سے مکینکل میں بی ای کیا، اور اپنے اعلیٰ گریڈز کی وجہ سے یونیورسٹی آف مانچسٹر میں داخلہ لیا۔ پہلے ماسٹرز اور پھر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران پہلے برٹش کونسل اور پھر یونیورسٹی آف مانچسٹر سے اسکالرشپ بھی حاصل کی۔
اب افضل حق، ڈاکٹر افضل حق بن چکے تھے، تعلیمی اور سائنسی دنیا نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پہلے یونیورسٹی آف سرے اور پھر امپیریئل کالج آف لندن میں خدمات انجام دینے لگے۔ بات یہیں نہیں رکی، بلکہ سائنس اور انجینئرنگ کی دنیا میں ایسے کام کیئے کہ بہت کم عرصے میں انسٹیٹیوٹ آف کیمیکل انجینئرز یو کے میں مالٹن گولڈ میڈل حاصل کیا جو کسی بھی پاکستانی کے لئے پہلا گولڈ میڈل تھا۔
ان کے برطانیہ میں تعلیمی شہرت کی بھنک پاکستان میں بھی پہنچ چکی تھی۔ پاکستان کا کمال یہ ہے کہ وہ آپ کی صلاحیتوں کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتا، جب تک آپ خود کو کسی اور ملک میں نہ منوالیں۔ ایسا ہی ڈاکٹر افضل کے ساتھ بھی ہوا۔ اب انہیں پاکستان سے بھی اچھی نوکریوں کی پیشکشیں آنے لگیں۔ کہوٹہ ریسرچ لیبارٹری ہو یا پی اے ایف ایئرونائیکل کالج یا پھر NED۔ سب نے اپنی بانہیں ان کے لئے کھول دیں۔ لیکن ڈاکٹر افضل کا دل NED کے لئے دھڑکتا تھا۔ وہ اپنے دماغ میں **Build a better NED** کا خواب

ڈاکٹر افضل کا دل NED کے لئے دھڑکتا تھا۔ وہ اپنے دماغ میں Build a better NED کا خواب سجائے بیٹھے تھے۔ اور یوں 1988 میں انہوں نے اپنی ہی مادرِ علمی، جہاں یہ میر پور خاص کے ایک چھوٹے سے شہر سے اٹھ کر آئے تھے، کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اور NED میں پروفیسر کی حیثیت سے سن 88 سے 94 تک خدمات انجام دیں۔ پھر NED میں کچھ ایسا ماحول بنا کہ ان کے لئے وہاں ٹھیرنا مناسب نہیں رہا۔

اسی دوران غلام اسحٰق خان انسٹیٹیوٹ میں بحیثیت ڈین فیکلٹی آف میکینیکل انجینئرنگ شامل ہو گئے۔ انہیں وہاں لے جانے والوں میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نمایاں کردار تھا۔

اس کے بعد مختلف وزارتوں، صنعتی اداروں، تحقیقی اداروں سے ہوتے ہوئے پھر NED آ گئے۔ اب یہ پروفیسر نہیں، ڈین نہیں، بلکہ وائس چانسلر ہو چکے تھے۔ NED کے وائس چانسلر، جہاں یہ 1970 کے عشرے میں ایک خاموش اور شرمیلے لڑکے کی حیثیت سے آئے تھے، لیکن جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ اپنے اندر طوفان چھپائے تھے اور اسی طوفان نے ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔

کس قدر شاندار سفر ہے، سندھ کے ایک چھوٹے سے شہر کے شرمیلے اور خاموش طبع طالبعلم کا۔ جو پہلے بی ای، پھر ماسٹرز، پھر ڈاکٹریٹ، گولڈ میڈل، پھر NED کا پروفیسر اور پھر شیخ الجامعہ بن گیا۔ اسے کہتے ہیں، جادو جو سر چڑھ کر بولے، محبوب آپ کے قدموں میں۔ ان کے سر پر NED کا جادو چڑھ چکا تھا۔ اور اس کو ان کے قدموں میں آنا ہی تھا۔

جب این ای ڈی کے وائس چانسلر بنے تو پتہ چلا کہ این ای ڈی بینکوں کے قرضوں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے واقعی بینکوں کے قدموں میں بیٹھا ہے یہاں سے پھر ایک نئے ڈاکٹر افضل، وائس چانسلر ڈاکٹر افضل نے جنم لیا۔ اور مردانہ وار ایسے پروگرام تشکیل دیئے کہ نہ صرف قرضے ادا کر دیئے بلکہ اپنے وسائل کو صحیح سمت میں استعمال کرتے ہوئے این ای ڈی کے فنڈز کو سرپلس میں بدل دیا۔ نا معلوم کتنی نئی فیکلٹی شروع کی، NED کی تاریخ میں پہلی بار philanthropy پروگرام کے تحت دس کروڑ روپے سے زیادہ کی اسکیمیں شروع کرائیں اور اپنی چار سالہ مدت مکمل کر کے تبدیل کر دیئے گئے۔

ڈاکٹر افضل نے بحیثیت وائس چانسلر جو خدمات NED کو دی ہیں، وہ ممکن ہے کہ وقت کی اڑائی ہوئی گرد میں کسی کو نظر نہ آئیں، لیکن جب بھی گرد چھٹے گی تو آنے والے مورخ کو یہ معلوم کرنے میں مشکل نہیں ہو گی کہ NED کو ترقی کی شاہراہ پر ڈالنے والوں میں ڈاکٹر افضل حق بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ آج کل کراچی میں ایک پرائیوٹ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ اپنی بیگم اور اکلوتی بیٹی کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی گزار

ڈاکٹر افضل چھوٹے شہر کا بڑا خواب ہے۔اور بڑے خواب کی بہت بڑی تعبیر۔جب تک ڈاکٹر افضل حق جیسے لوگ آگے آتے رہیں گے، یہ چھوٹے شہروں اور گاؤں کے نوجوانوں کے لئے مشعل راہ اور رومانس بنے رہیں گے۔کامیابی کسی کی میراث نہیں، یہ صرف محنت اور خودداری مانگتی ہے۔اور یہ خوں بہا جو دے دے، وہ امر ہو جائے گا۔ڈاکٹر افضل حق میرے دوست اور میرے بھائی کی مانند ہیں۔

☆☆☆

Dr Afzal Haque

ایک انقلابی

اکبر یونس انصاری

میکینکل انجینئرنگ۔1978

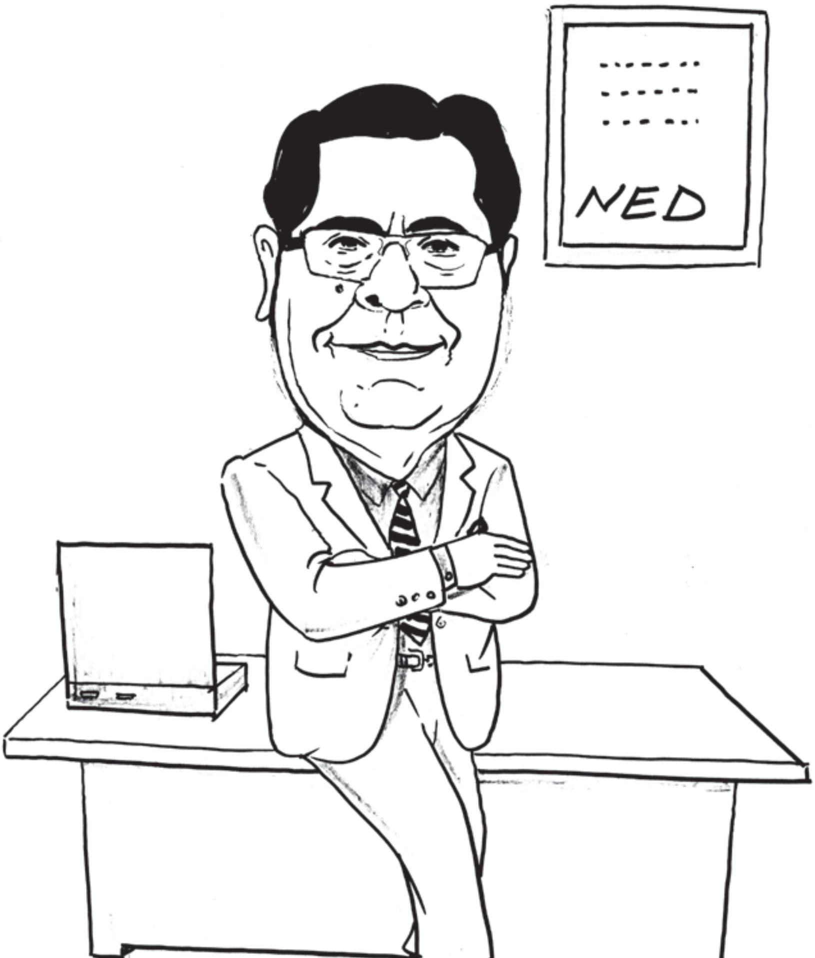

ایک انقلابی

اکبر یونس انصاری

1950 کا ذکر ہے کہ محمد اصغر انصاری ہندوستان کے شہر لکھنؤ سے ایک نئی اور آزاد مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان ہجرت کرتے ہیں اور مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ میں جا بستے ہیں۔ انصاری صاحب چونکہ ٹریڈ یونینسٹ تھے اور وکیل بھی۔ آج کے نہیں، اُس وقت کے وکیل، جن کی زندگی کا مقصد تھا کہ معاملات کو درست کیا جائے اور ان لوگوں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کی جائیں، جو مالی طور پر اس قابل نہیں کہ اپنے لئے وکیل کر سکیں۔ ایسی دیوانوں جیسی سوچ رکھنے والا مالی طور پر کیسے خوشحال ہو سکتا ہے، جس کا نصب العین اپنا وقت اور سرمایہ دوسروں پر لٹانے میں لگ جائے۔

اصغر انصاری ڈھاکہ سے کراچی آئے اور فرید النساء بیگم سے رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔ اُن ہی کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے، جس کا نام اکبر رکھا جاتا ہے۔ جس کو ہم اور آپ اکبر یونس انصاری کے نام سے جانتے ہیں۔ اکبر 25 دسمبر 1955 کو پیدا ہوئے، یہ وہ دور تھا، جب آزاد مملکت پاکستان اپنے ابتدائی، سیاسی ، معاشی اور ثقافتی بحران سے گزر رہی تھی۔

اکبر کے والد چونکہ ایک ترقی پسند انسان تھے، اور وکیل بھی۔ چنانچہ انہوں نے کراچی میں پی آئی بی کالونی میں سکونت اختیار کی۔ جو مہاجرین کی پہلی بستی تھی اور جہاں سب ہی پڑھے لکھے لوگ آباد تھے۔ کہتے ہیں کہ کسی بھی گھر میں پرورش پانے والے بچے لاشعوری طور پر وہ سب کچھ سیکھتے رہتے ہیں جو ان کے والدین کی زندگی میں چل رہا ہوتا ہے، مجھے لگتا ہے کہ اکبر کے خون میں سیاست، انقلاب اور عام آدمی کے لئے کچھ کرنے کی لگن یقینی طور پر اپنے والد اصغر انصاری سے منتقل ہوئی۔

اکبر نے ابتدائی تعلیم پپی ڈیل اسکول سے حاصل کی اور میٹرک جمشید روڈ پر واقع گرین وڈ اسکول

اکبر نے ابتدائی تعلیم پی ای ڈیل اسکول سے حاصل کی اور میٹرک جمشید روڈ پر واقع گرین وڈ اسکول سے۔ وہ اسکول اُس زمانے کی ماہر تعلیم مسز قزلباش کی نگرانی میں چل رہا تھا۔ وہ اپنے زمانے کی سخت ترین ایڈمنسٹریٹر بھی سمجھی جاتی تھیں۔ اور طلبہ مرد اساتذہ سے کم اور ان سے زیادہ ڈرتے تھے۔

اکبر روزانہ پی آئی بی سے جمشید روڈ سے پندرہ منٹ کا پیدل سفر طے کرتے رہے اور وہیں سے اکبر نے سیکھا کہ دوستوں کے ساتھ کس طرح چلا جاتا ہے اور دوستیاں کس طرح نبھائی جاتی ہیں۔ یہاں سے میٹرک کر کے انہوں نے عائشہ باوانی میں داخلہ لیا اور ایف ایس سی امتیازی نمبروں سے پاس کر کے این ای ڈی۔

اکبر کہتے ہیں کہ این ای ڈی سے ان کا رشتہ عائشہ باوانی ہی میں قائم ہو گیا تھا چونکہ ان کو جو معلم ریاضی کی ٹیوشن پڑھاتے تھے، وہ NED کے اسٹوڈنٹ تھے۔ وہیں سے اکبر کے دل میں NED کی محبت جاگی اور ادارے کا احترام بھی۔ اس سے لگتا ہے کہ وہ NEDIAN کافی اچھا پڑھاتا تھا اور این ای ڈی میں داخلے کے لئے بھی کافی اچھے نمبر دلانے کی کوشش کی تھی۔

چونکہ ان کے خون میں سیاست تھی، اسلئے عائشہ باوانی کے زمانے ہی میں اردو زبان کے خلاف سندھ اسمبلی میں ایک بل منظور ہوا اور یہ ایک مجمع کے ساتھ مظاہرے میں گورنر ہاؤس گئے اور پولیس کے لاٹھی چارج کا شکار بھی ہوئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ میں نے اُس مظاہرے اور لاٹھی چارج سے یہ بھی سیکھا کہ پولیس کے نرغے سے کس طرح بچا جاتا ہے۔

اس کے بعد وہ NED آ گئے اور NED کے سحر میں گم ہو گئے۔ این ای ڈی کے سحر کو وہی سمجھ سکتا ہے، جہاں داخلے کے لئے اس نے رات رات بھر چھت پر بیٹھ کر پڑھائی کی ہو۔ اور اس امید پر کہ ایف ایس سی میں اچھے نمبر آئیں گے اور ایک روشن مستقبل کے حصول کے لئے NED کی میرٹ لسٹ میں نام بھی۔ ابھی NED کا پہلا دن تھا کہ ان پر ہر طرف سے سینئیرز کی یلغار ہو گئی جن میں اسلامی جمعیت طلبہ اور پی ایس ایف کے لڑکے شامل تھے۔ باپ چونکہ انقلابی کمیونسٹ فکر کے انسان تھے تو اکبر کو یہ طے کرنے میں دیر نہیں لگی کہ کس طرف جانا ہے۔

یوں وہ پہلے دن ہی سے پی ایس ایف کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ اور طبیعتاً اتنے شریف ہیں کہ آج تک NED ہی کو اپنی پہلی محبت کہتے ہیں۔ NED میں مبشر اسلم، اقبال کھتری، سردار حمید اور ارشاد سلیم کی سنگت ملی اور اس نعرے کے ساتھ ہو لئے:

Build a beter NED: NED for NEDians

Akbar Younus Ansari

اکبر طلبہ سیاست میں آہستہ آہستہ اپنی منزلیں طے کرتے رہے۔ مسلسل تین سال پی ایس ایف کو جتوانے کے بعد وہ اتنے پسندیدہ اور ہردلعزیز ہو چکے تھے کہ لوگوں نے اگلے انتخابی معرکے کے لئے اپنی نگاہیں اکبر انصاری پر جمالیں۔ یہ پی ایس ایف کے پینل میں صدارت کے لئے منتخب ہوئے۔ حالانکہ یہ الزام مجھ پر لگاتے ہیں کہ ان کی nomination speech میں نے تیار کر کے دی تھی۔ لیکن یقیناً یہ اکبر کی شخصیت کا کرشمہ تھا کہ وہ پہلے پارٹی کے امیدوار بنے اور پھر بھاری اکثریت سے طلبہ یونین کے صدر منتخب ہوئے ان کے ساتھ جنرل سیکرٹری کے لئے منتخب ہونے والے ہردلعزیز فردوس شمیم تھے۔

اکبر کہتے ہیں کہ ان کا دورِ صدارت اس لئے بھی مشکل رہا کہ کیمپس الیکشن سے پہلے اور الیکشن کے بعد پاکستان قومی اتحاد کی ہڑتال کی وجہ سے بند رہا۔ اور اسکے بعد مردِ مومن مردِ حق کی صداؤں کی وجہ سے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ایک نظریہ ضرورت کے تحت الٹ دی گئی تھی، جگہ جگہ فوجی بوٹوں کی آوازیں آنے لگیں۔ طلبہ کو سنبھالنے کی کوششیں بھی شروع ہوئیں لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔ لیکن جب مردِ مومن مردِ حق کے قدم جم گئے تو تعلیمی اداروں سے طلبہ یونینز ہی پر پابندی لگا دی گئی جو آج تک جاری ہے۔ گویا آنے والے وقتوں کے احمد فراز، معراج محمد خان، محمد علی شہکی اور نہ جانے کتنے لوگوں کی صلاحیتوں کو میٹھی نیند سلا گئے۔

اکبر نے بحیثیت صدر طلبہ یونین میں اس بات کی کوشش کی کہ قومی اسمبلی اور سندھ اسمبلی سے NED کو یونیورسٹی کا درجہ دلایا جائے۔ وہ اپنی دن رات کی کوششوں سے اس میں کامیاب بھی ہوئے اور بالآخر ایک جلوس کی صورت میں چیف منسٹرز ہاؤس پہنچے اور اس وقت کے وزیر اعلیٰ غلام مصطفیٰ جتوئی نے NED اور جامشورو دونوں کو یونیورسٹی بنانے کا اعلان کیا۔ اور طلبہ کو اپنے خواب کی تعبیر مل گئی۔

اکبر 1979 میں امریکہ آ گئے، کلارسن یونیورسٹی سے مینوفیکچرنگ انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا، مختلف اداروں میں ملازمت کی اور پھر وہی ہوا، جس کا ڈر ہوتا ہے۔ والدین نے 1985 میں ان کی شادی اقبال بیگم سے کر دی جوان کی زندگی میں نہ صرف خوشبو کا ایک جھونکا ثابت ہوئیں، بلکہ ان کے اقبال کو مزید بلند کر دیا۔ اکبر اور اقبال تین بچوں کے والدین ہیں، کہتے ہیں کہ اقبال کی ان کی زندگی میں شمولیت ان کے لئے نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ آج کل امریکی ریاست میری لینڈ میں مقیم ہیں بیٹی انجینئر اور بیٹے ڈاکٹر ہیں۔ میری لینڈ میں مسلم کونسل کے بانیوں میں سے ہیں۔ اور NED المنائی کے بانی ممبرز سے بھی۔ مسلمانوں کے لئے عظیم الشان کمیونٹی سینٹر قائم کیا اور اسے چلانے میں بھی مشغول ہیں۔

جب بھی پی ایس ایف، این ای ڈی اور یہاں کی اسٹوڈنٹس یونین کی تاریخ لکھی جائے گی تو اکبر یونس انصاری کا نام اس میں ضرور شامل ہوگا۔

انسان دوست شخص

امان اللہ حنیف

میکینکل انجینئرنگ۔1983

انسان دوست شخص

امان اللہ حنیف

NED میں پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ کا سورج کافی عرصے نصف النہار پر رہنے کے بعد غروب ہو چکا تھا، طلبہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب دوسرے نظریے، دوسرے قبیلے اور دوسرے گروپ کو آزمایا جائے۔ اسی لئے 77-78 کے یونین کے الیکشن ہوتے ہیں اور پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ کا پورا پینل ہار جاتا ہے۔ طلبہ سیاست سے لے کر قومی سیاست تک یہ ہوتا آیا ہے کہ نئی آنے والی جماعت اپنے قدم جماتی ہے اور کچھ عرصے اپنے عروج پر رہتی ہے۔ لیکن NED کے طلبہ نے یہ سوچ لیا تھا کہ یہ صرف عارضی تبدیلی ہے اور ہم کچھ ایسا کام کریں گے کہ طلبہ پھر پی ایس ایف کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ایسے میں کچھ طلبہ منظر عام پر آتے ہیں، جو پیدائشی طور پر تو سیاسی نہیں، لیکن وہ اپنے کردار، عمل اور تعلقات میں ایسی کشش رکھتے ہیں کہ NED کے طلبہ پھر پی ایس ایف کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

میری مراد 80-79 کے اسٹوڈینٹس یونین کے اس کامیاب پینل سے ہے، جو اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس کے تمام عہدیداروں نے نہ صرف معاشرے میں اپنا مقام بنایا بلکہ زندگی کے جس شعبے میں بھی گئے، اپنی شناخت بنائی۔ اس پینل میں راشد علی بیگ صدر، امان اللہ حنیف جنرل سیکرٹری، فاروق بازئی سوشل سیکرٹری، آفتاب صدیقی آرٹس سیکرٹری اور سہیل بشیر پبلی کیشن سیکرٹری تھے۔

میں جس شخصیت کا تذکرہ کر رہا ہوں، وہ امان اللہ حنیف ہیں۔ 15 ستمبر 1958 کو کراچی میں ایک سرکاری افسر سید محمد علی، جو سول ایوی ایشن اتھارٹی یا سی اے اے میں ڈائریکٹر تھے، ان کے یہاں پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام حنیفہ خاتون تھا، یہ ان کے ہاں پیدا ہونے والی تیسری اولاد ہے اور والدین نے اس اولاد کو اللہ کی امان میں دینے کے لئے اس کا نام امان اللہ حنیف رکھ دیا۔ یہ نام کی برکت تھی یا والدین کی دعا کہ امان

اپنے اندر ایسی کشش رکھتے ہیں کہ جو بہت جلد دوسروں کو اپنی جانب متوجہ کر لیتی ہے۔ زندگی جہاں آپ کو بہت نعمتوں سے نوازتی ہے، وہیں امتحان بھی لیتی ہے۔ امان جب پانچ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے دنیا سے پردہ کر لیا۔ اور ایک بچہ جس نے ابھی ماں کی انگلی پکڑ کر بہت دور جانا تھا، اس دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ ماں ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اولاد ستر (70) سال کی بھی ہو اور ماں چلی جائے تو وہ ستر سال کا بوڑھا اپنے آپ کو بچہ اور لاوارث محسوس کرتا ہے۔ پھر امان تو صرف پانچ سال کے تھے۔ یہی وہ کمی ہے، جس نے امان کی طبیعت میں انکساری، عجز اور دوسروں کا درد پیدا کر دیا۔

اب امان کی پرورش کی ذمہ داری ان کے دادا، دادی اور والد صاحب پر آ گئی۔ مشترکہ خاندانی نظام یعنی جوائنٹ فیملی سسٹم، جو آج کی مادی دنیا میں مفقود ہوتا جا رہا ہے، اس کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ گھر میں ہر وقت ایک ایسا محبت سے بھرپور بڑا موجود ہوتا ہے، جو بچوں پر نہ صرف نظر رکھ سکے بلکہ پرورش بھی کرے۔ تو امان کی پرورش ان کے دادا دادی کی آغوش میں ہوئی۔ بچے عموماً اپنی ماں کے قریب ہوتے ہیں لیکن جب ماں اس دنیا سے چلی جائے تو ذمہ دار باپ اولاد کو ماں باپ دونوں بن کر پالتے ہیں۔ محمد علی نے بھی امان کو نہ صرف باپ بلکہ ماں بن کر بھی پالا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے مرتے دم تک ان سے اتنے قریب تھے کہ جتنا ایک چھوٹا بچہ اپنے باپ سے ہوتا ہے۔ گو کہ ان کا انتقال سن 2019 میں ہوا، جبکہ امان کے اپنے بال سفید ہو چکے تھے۔ سب بیٹے اپنے باپ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن ایسے بیٹے کم ہی ہوتے ہیں، جو اپنے باپ کے لاڈ اٹھاتے ہیں، امان ان میں سے ایک ہیں۔

امان نے پرائمری تعلیم رسالپور کے کانونٹ اسکول سے حاصل کی پھر والد کے ٹرانسفر کے بعد کراچی آ گئے، جہاں انٹرمیڈیٹ دہلی کالج سے کیا۔ اس کے بعد اپنے شاندار مارکس کی بدولت این ای ڈی میں داخل ہو گئے اب امان ایک نوجوان کا روپ دھار چکے تھے، طلبہ سیاست ہو یا سوشل ورک، ہفتہ طلبہ ہو یا کوئی بھی غیر نصابی سرگرمی امان ہمیشہ آگے آگے رہنے لگے۔ خدمت کا جذبہ NED سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ 94 سے 96، 97 سے 99 اور 2008 سے 2010 تک پاکستان انجینئرنگ کونسل کا الیکشن لڑا اور کامیاب بھی ہوئے۔

پہلی ملازمت پاکستان ٹوبیکو کمپنی میں کی۔ لیکن طبیعت کی اچھال نے نئی دنیا کی تلاش جاری رکھی، اسمتھ کلائن اینڈ فرنچ پاکستان لمٹیڈ، جسے ہم اور آپ SK&F کے نام سے جانتے ہیں، میں پلانٹ منیجر کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ انہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ ملازمت ان کے آنے والے وقتوں میں کیا خوشی

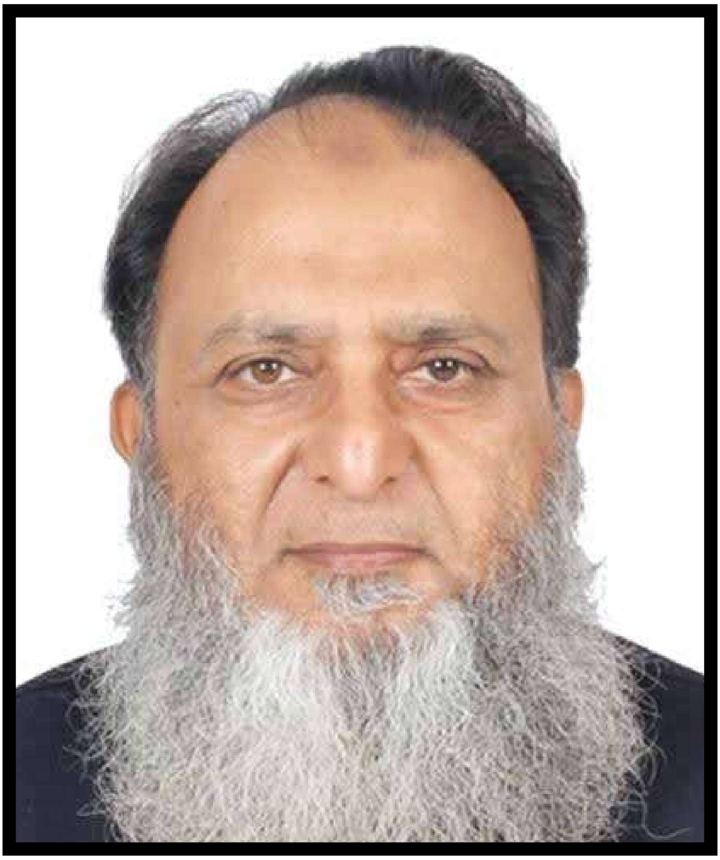

Amanullah Hanif

لا رہی ہے، انہوں نے سن 1985 میں ایس کے اینڈ ایف جوائن کیا۔ ان کے ملازمت کے پہلے ہی سال ایک نہایت وضعدار خاتون سے ملاقات ہوئی جن کا نام شاہین نیاز تھا، اور وہ اسی کمپنی میں کوالٹی اشورنس آفیسر تھیں، شاہین چونکہ کوالٹی پر یقین رکھتی تھیں۔ انہوں نے بھی یہ جان لیا کہ اپنے منصب کو کوالٹی اشورنس سے بدل کر اب کوالٹی کنٹرول آفیسر بنانے کا وقت آ گیا ہے۔

یوں امان 4 جولائی سن 1986 کو شاہین کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ محبت کی شادی ہے؟ تو مسکرا دیئے اور ایک سمجھدار اور ذہین شخص کی طرح اقرار کیا کہ نہ صرف محبت بلکہ پہلی محبت کی شادی ہے۔ جہاں اللہ نے انسان کو بیشتر نعمتوں سے نوازا ہے، وہاں ایک نیک اور اچھی بیوی بھی اللہ کی نعمت ہے۔ یہ شاہین ہی کی برکت ہے کہ جب یہ 94 میں حج پر گئے تو اپنا لبرل امان مکہ مکرمہ ہی میں چھوڑ آئے۔ 94 کے بعد سے آج تک یہ ایک باریش مسلمان ہیں۔ جو کہ اپنی تین بیٹیوں ڈاکٹر انعم امان، ڈاکٹر مہوش امان اور مریم امان کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکے ہیں۔ شاہین اور امان نے اپنی بیٹیوں کی پرورش بھی ایسے ہی کی ہے جیسی ان کی اپنی شخصیت ہے۔

امان سے ملے اور جانے آج مجھے چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ لیکن آج تک میرے دل سے امان کی محبت کم نہیں ہوئی۔ امان کمال کا بیٹا، کمال کا شوہر، اور باکمال باپ ہے۔ یہ وہ تین خوبیاں ہیں جو امان کو امان بناتی ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے کہ باریش جوان ہونے کے باوجود چہرے پر وہی تازہ دم جوان مسکراہٹ ہے اور شریر مسکراہٹ ہے جو اس عمر میں صرف ان کی ہو سکتی ہے جن کا ظاہر اور باطن ایک ہو۔ یہی چیز امان اللہ کو دوسروں سے منفرد کرتی ہے۔

☆☆☆

ہمارا امیر

امیر الاسلام

سول انجینئرنگ۔1986

ہمارا امیر

امیر الاسلام

سن 62 کا کراچی۔خاموش،امن پسند،محبت کی آماجگاہ

اور روشنیوں کا شہر کراچی

۔۔ٹراموے کا شہر کراچی

۔۔بندر روڈ سے کیماڑی کا کراچی

۔۔کراچی کی ایک ایسی بستی، جسے قیام پاکستان سے قبل لالوکھیت اور قیام پاکستان کے بعد لیاقت آباد کا نام دیا گیا

۔۔ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کی قیامگاہ

۔۔ہر طرف سکون۔۔۔ہر طرف محبت۔۔۔۔

لیاقت آباد کے پانچ کلومیٹر کے احاطے میں علم وفن کا کون سا ایسا نگینہ ہے، جو 62 سے 70 تک اس علاقے میں نہ رہا ہو۔چاہے وہ ابن انشاء ہوں، جوش ملیح آبادی، دلاور فگار ہوں یا غلام فرید صابری۔مہدی حسن ہوں یا اپنے وقت کے بہت بڑے جید عالم مولانا احتشام الحق تھانوی، آپ نام سوچتے چلے جائیں، آپ کی سوچ ختم ہو جائے گی،لیکن یہ نام ختم نہیں ہوں گے۔

62 سے 70 کا کراچی

نہ کوئی شیعہ، نہ کوئی سنی

نہ کوئی سندھی، نہ کوئی مہاجر

اور نہ ہی کوئی ہری پگڑی اور اور نہ ہی کوئی کالا صافہ

صرف اور صرف پاکستانیوں کا شہر

وضع داروں کا شہر

ایسے دور میں پیدا ہونے والے بچے بھی وضع دار اور تمیز دار نہ ہوں تو کیا ہوں؟ میری مراد یہاں 16 دسمبر سن 62 کو نوجوان جوڑے منیر الاسلام ہاشمی اور انور منیر ہاشمی کی پلوٹھی کی اولاد اور ہمارے اور آپ کے چہیتے امیر الاسلام سے ہے۔ امیر کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے ہے، جہاں والدین نے اپنی زندگی کا مقصد اولاد کو اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا تو تھا ہی۔ لیکن ان کا اولین مقصد اپنی اولاد کے لئے گھر میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنا تھا، جو کہ آنے والے وقتوں میں بچوں کی تربیت اور نشو ونما میں ایک ایسا سلسلہ ثابت ہو، جو کہ کسی کے اخلاق، کردار اور رواداری میں ترقی کی منازل طے کرنے کے بعد بھی اس میں لغزش نہ آنے دے۔ یہ سوچ وہیں ممکن تھی، جہاں والدین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ ان کی والدہ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے انگلش تھیں۔ زندگی بھر درس و تدریس سے وابستہ رہیں اور ان گنت طالبعلم اس دنیا میں چھوڑے۔ ان کے سب سے لائق طلبہ میں ان کی اپنی اولاد ہی ثابت ہوئی۔

جبکہ والد صاحب یوپی یعنی اتر پردیش کے ایک ادبی اور شاعرانہ خاندان کے ایک فرد تھے ان کی ان ہی قائدانہ صلاحیتوں کی دھوم کراچی کے سیاسی حلقوں میں بھی تھی اور اسی لئے انہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے چھ بار انتخابات میں لگاتار کامیابی حاصل کی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب مسلم لیگ قائداعظم کے دیوانوں کی جماعت تھی اور یہ قاف اور نون کے خانوں میں نہیں بٹی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب والدین اس پائے کے ہوں تو تربیت رنگ لا کر ہی رہتی ہے۔ اور اس کا آپ کو امیر سے مل کر بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

امیر خود بھی ایک اچھے لکھاری تو ہیں ہی، اپنے دادا کی کتاب پر لکھنے والے ایک مضمون اگر آپ کی نظر سے گزرے تو ایک ایک لفظ کمال اور ایک ایک جملہ اپنے اندر ایک مکمل مضمون ہے۔ انہیں دادا کی تیسری نسل میں اپنی حیثیت کا احساس ہے اور دادا اور والد کے اعلیٰ ادبی مقام کا بھی۔ تو اپنے مضمون کا اختتام اس خوبصورت جملے پر کرتے ہیں کہ "میرے پراگندہ خیالات کو اس کتاب کے لئے نظر کا ٹیکہ سمجھا جائے"۔

آیئے اب آپ کو ماضی میں لے جاتے ہیں، NED سے کچھ سال پہلے جہاں ایک شرمیلا سا لڑکا حبیب پبلک اسکول میں داخل ہوتا ہے، شروع میں سہما ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ اپنی جگہ بناتے ہوئے نہ صرف بزم ادب کا صدر بن جاتا ہے، بلکہ سیکرٹری اسلامک سوسائٹی، جنرل سیکرٹری انگلش ڈیبیٹنگ سوسائٹی، میگزین سیکرٹری اور آہستہ آہستہ اپنی جگہ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں سے نکل کر کھیل کے میدان میں بھی بنا لیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جو بچے اپنی ماں کے قریب ہوتے ہیں، وہ نہ صرف حساس ہوتے ہیں، بلکہ غضب کے پراعتماد بھی۔ امیر کو دیکھ کر اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ اپنی ماں سے کتنے قریب رہے ہیں۔

78 میں میٹرک کیا اور 80 میں آدمجی سائنس کالج سے انٹرمیڈیٹ۔ اب یہ ایک نوجوان کا روپ دھار چکے تھے۔ جن کے خزانے میں لاتعداد ٹرافیاں اور انعامات ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ عموماً جو لوگ غیر نصابی سرگرمیوں میں تیز ہوتے ہیں، تعلیم میں ڈنڈی مار ہی جاتے ہیں۔ لیکن یہ تعلیم میں بھی پیچھے نہیں رہے جس میں ان سے زیادہ ان کے ماں باپ کی مکمل توجہ کا دخل دکھائی دیتا ہے۔

یہ بھی کیا اتفاق ہے کہ اگر آپ امیر الاسلام سے واقف نہ ہوں تو آج کل کے رواج کے مطابق لگے گا کہ یہ مولانا یقیناً کسی تحریک طالبان کے چیپٹر کے نگراں ہیں، کیونکہ آج کل اگر اسلام کے ساتھ امیر بھی لگا ہو تو کچھ لوگوں کا دھیان نہ معلوم کیوں قبائلی علاقوں کی طرف چلا جاتا ہے۔

امیر الاسلام ان NEDIANs میں سے ہیں، جو زمانۂ طالبعلمی سے لے کر NED ہی کی کھاتے ہیں اور اسی کے گن گاتے ہیں۔ اپنا دل اور جیب ہمیشہ NED کی ضروریات کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ اپنے ذاتی خرچ سے سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں ایک چیئر اسپانسر کر چکے ہیں۔ زمانۂ طالبعلمی میں لاتعداد مباحثوں اور Declamation Contests میں حصہ لیا۔ یہ NED کا وہ شہسوار ہے، جو NED میں داخلے کے وقت سے لے کر نکلنے تک تعلیمی زندگی کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور اسی طرح آہستہ آہستہ پرت در پرت کھلتے کھلتے طلبہ یونین کے پبلی کیشن سیکرٹری بھی بن جاتے ہیں۔ گویا شاعر نے ان ہی کے لئے کہا ہے:

ے سرکتی جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ

امیر الاسلام NED کے لئے تو ہمہ وقت موجود ہی ہیں، اس کے علاوہ مختلف اداروں اور افراد کی مدد میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔

نارتھ امریکہ میں چار سال NEDIAN NA کے چیئرمین رہے اور اس کی بنیادوں کو اتنا مضبوط کر دیا کہ اب NEDIAN NA امریکہ کی مختلف ریاستوں میں ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ چند سال پہلے NED کے Endowment فنڈ کے لئے جب NED الف قائم ہوئی تو اس کے بھی پہلے ٹرسٹیز میں شامل تھے۔

امیر الاسلام کی بیگم بھی NEDIAN ہیں اور اس کتاب کا حصہ بھی۔ جب میں نے پوچھا کہ کیا

ساتھ پڑھتی تھیں تو بولے کہ نہیں، میں تو NED کے زمانے میں اسماء کو جانتا بھی نہیں تھا۔ یہ مجھے امریکہ میں ملیں، جس سے یہ خیال مزید پختہ ہو جاتا ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔ ان کا NED میں بننا ضروری نہیں۔

آج امیر الاسلام امریکی ریاست نیوجرسی میں مقیم ہیں اور جرسی پری کاسٹ کے CEO ہیں۔ اپنی بیگم اسماء ہاشمی، بیٹی علینا ہاشمی اور بیٹے زین ہاشمی کے ساتھ ایک نہایت کامیاب اور خوش وخرم خاندان کی طرح رہ رہے ہیں۔ اگر انسان اپنے رویوں اور رشتوں میں اعتدال رکھے تو خوشیاں اور کامیابیاں خود ہی قدم چوم لیتی ہیں۔ یہ دنیا ان ہی کی ہے جو خواب دیکھتے ہیں اور اپنی محنت سے ان خوابوں کو حقیقت کا روپ دیتے ہیں۔ جیوامیر الاسلام۔

☆☆☆

Amirulislam

هفت زباں

تنویر عالم ملک

سول انجینئرنگ۔1979

هفت زباں

تنویر عالم ملک

انسانی زائچے میں جب آپ ستاروں کا حال دیکھتے ہیں تو ہر ستارہ کسی نہ کسی کیفیت اور خصوصیت سے منسلک ہوتا ہے وہ یا تو پانی کا سیارہ ہوتا ہے یا ہوا کا یا آگ کا یہ اپنے اپنے برج میں ان ہی خصوصیات کو لے کر چلتا ہے اور ان ستاروں کے زیر اثر پیدا ہونے والے بچے اپنے مزاج میں ان کی جھلک بھی رکھتے ہیں ان ہی ستاروں میں سے ایک ستارہ برج الاسد کہلاتا ہے یعنی لیو (Leo)۔اس برج کے تحت پیدا ہونے والوں کی خصوصیات میں دلیری، حوصلہ اور عزت نفس شامل ہیں۔

ایسے ہی ایک Leo کو ہم اور آپ تنویر عالم کے نام سے جانتے ہیں۔

تنویر کی زندگی کی کہانی 5 اگست 1955 کو ڈھاکہ، مشرقی پاکستان سے شروع ہوتی ہے جہاں ان کی پرورش ان کی عظیم ماں ڈاکٹر زینت بانو اور ماموں کیپٹن شہاب کی گود میں ہوئی۔ یہیں سے ان کی طبیعت میں خلوص، لوگوں سے محبت اور دوسروں کے لئے کچھ کام کرنے کی لگن شروع ہوئی اور اپنے نام کی طرح ان کی شخصیت کی زینت بنتی گئی۔ کیپٹن شہاب چونکہ ایک پائلٹ تھے، اسی لئے تنویر نے چلنا اپنی ماں سے اور کامیابیوں کے افق پر اڑنا اپنے ماموں کیپٹن شہاب سے سیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو ایک کیڈٹ کالج ٹائپ بورڈنگ اسکول میں داخل کیا گیا۔ جہاں سے انہوں نے اپنی زندگی میں نظم وضبط اور قیادت کرنے کے اصول سیکھے۔

چھٹی جماعت میں تھے تو ان کے سرپرست مغربی پاکستان آگئے لیکن یہ ان چند ذہین طلبہ میں سے تھے جنہیں ان کے اسکول کے پرنسپل قاضی عزیز الرحمٰن نے اصرار کر کے میٹرک تک وہیں رہنے کو کہا۔ اور وہ اپنے اسکول کے لئے مباحثوں، اسکاؤٹس اور دیگر غیر نصابی سرگرمیوں میں اپنے اسکول اور اساتذہ کا نام روشن

کرتے رہے۔ بدقسمتی سے 1971 میں مشرقی پاکستان کے حالات خراب ہوگئے اور بنگالی نہ بولنے والوں پر عرصہ ٔحیات تنگ کر دیا گیا۔ اور یوں وہ میٹرک کے لئے کراچی کے کلثوم بائی ولیکا اسکول میں داخل ہو گئے اوراس کے بعد ڈی جے سائنس کالج میں۔

1971 کے سانحہ مشرقی پاکستان کو ہم لوگ کبھی نہیں بھول سکتے ،جس نے پوری قوم کو شدید کرب و اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیونکہ اس خانہ جنگی میں پاکستانیوں اور مسلمانوں ہی نے ایک دوسرے کو بہت سفا کی اور وحشیانہ انداز میں ذبح کیا۔تنویر اور بہت سے لوگوں نے ''ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' اور یہ ان کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ ڈھاکہ سے ہجرت میں تنویر کے دماغ میں ایک ایسے انقلابی کو جنم دیا جس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بساط کے مطابق سب کے لئے نہ سہی تو چند لوگوں کے لئے ہی زندگی میں آسانیاں پیدا کرے۔

ان کی طبیعت کی اسی بے چینی نے ان سے یہ فیصلہ کرایا کہ یہ جامعہ کراچی کے شعبہ جرنلزم میں داخلہ لیں اور صحافت میں اپنا نام پیدا کریں، لیکن بالآخر اپنی ماں کی خواہش پر NED میں داخلہ لیا اور سول انجینئر نگ کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے ایک نئے اور جوان تنویر عالم نے اپنا سفر شروع کیا۔ اولڈ کیمپس سے ہوتے ہوئے نئے کیمپس میں آئے۔

NED کا نیا کیمپس جہاں طلبہ سیاست کے مختلف گروہ اپنے اپنے نظریات کی ترویج کے لئے نئے آنے والوں کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی طلبہ میں ایک لمبے بالوں والا اپنی دانست میں راجیش کھنہ بنا جس کا تعلق پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ سے ہے، آگے آگے ہے۔ تنویر ان با کمال لوگوں میں سے ہے، جو کئی زبانیں بول سکتے ہیں اور اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ انگریزی، اردو، پنجابی اور بنگالی میں کس زبان پر زیادہ عبور رکھتے ہیں۔ میں اگر یہ کہوں کہ NED کی سوسالہ تاریخ میں شاید وہ واحد مقرر ہیں، جنہوں نے انگریزی، اردو اور پنجابی مباحثوں میں شرکت کر کے این ای ڈی کو لاتعداد انعامات جتوائے ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔

اُس زمانے کے تمام پروگریسو لڑکوں کی مجبوری یہ تھی کہ کینٹین کو دو راستے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک راستہ گرلز روم کے سامنے سے گزرتا تھا اور تمام سرخے تحفظ حقوق نسواں کی خاطر اسی راستے سے گزرتے تھے۔ اسی شاہراہ پر گزرتے گزرتے ان کی مقبولیت لڑکوں سے نکل کر لڑکیوں میں بھی پھیل گئی اور یہ چونکہ راجیش کھنہ تھے، اسلئے اپنی ڈمپل کپاڈیہ کی تلاش جاری رکھی۔ لیکن ان کی غیر نصابی سرگرمیاں اور کارزارِ سیاست کی چوبیس گھنٹے کی مصروفیت آڑے آتی رہی۔ نامعلوم کتنے مقابلوں میں حصہ لیا۔ انگریزی مقابلوں

Tanveer Alam Malik

میں سیما انصاری، آصف رضوی اور فردوس شمیم کے پارٹنر رہے۔ اردو مباحثوں میں میرے حصے میں آئے اور پنجابی مباحثوں کے شریک سرفراز خان اور ہمایوں طاہر ہوا کرتے تھے۔

NED صدارت کا الیکشن بھی لڑا لیکن آخری لمحوں کی سازشوں کی وجہ سے طلبہ نے پی ایس ایف کے ساتھ بے وفائی کی اور یہ ہار گئے۔ یہ موقع تھا کہ اب NED تنویر کے لئے منیر نیازی کے اس شعر کی مانند ہو چکا تھا کہ

؎ اُس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو

اور اسی زمانے میں انہیں وقت ملا کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ رہنے والی ثمینہ اعظم کو سمجھ سکیں اور فیصلہ کریں کہ انہیں اپنا جیون ساتھی بنالیں اور اس راجیش کھنہ کو بالآخر ڈمپل کپاڈیہ مل ہی گئی۔

تنویر ان چند سابق NEDIANS میں سے ہیں جنہوں نے کالج سے لے کر آج تک NED کو فائدہ پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ مشی گن سے ماسٹرز کرنے کے بعد امریکہ میں مستقل سکونت کو انہوں نے NED کو فائدہ پہنچانے کے لئے استعمال کیا۔ سن 1996 میں NEDNA شکاگو بنائی، جو شمالی امریکہ کی پہلی المنائی تھی۔ پھر اس کے اسکوپ کو بڑھاتے ہوئے این ای ڈی این اے کی بنیاد ڈالی یعنی نارتھ امریکہ کی تمام المنائی کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ اس کے ساتھ ہی سن 2010 میں NED کے لئے Endowment فنڈ این ای ڈی الف کے نام سے بنایا اور آج کل اس کے چیئرمین ہیں۔

ثمینہ سے شادی سن 1980 میں کی اور اب اپنی دو خوبصورت بیٹیوں سعدیہ، رابعہ اور بیٹے امید، جو ایک شہزادے سے کم نہیں، کے ساتھ مقیم ہیں۔

تنویر نے NED میں جو سفر سن 74-73 میں شروع کیا تھا، وہ آج بھی جاری ہے۔ امریکہ میں جہاں بھی NED کی بات ہوگی، وہ تنویر کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہے۔ تنویر جیسے لوگوں اور ان کی مادرِ علمی سے محبت اور خلوص کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ادارے سو سال تک کیوں زندہ رہتے ہیں۔ تنویر کی یہی بے لوث خصوصیت نہ صرف تنویر کو دوسروں سے منفرد کرتی ہے، بلکہ میرے دل کے قریب بھی رکھتی ہے۔

☆☆☆

این ای ڈی کا شیر

راشد علی بیگ

سول انجینئرنگ۔1982

این ای ڈی کا شیر

راشد علی بیگ

1948 کا قصہ ہے، پیلی بھیت ہندوستان سے، جو شیروں (Tiger Reserve) کی وجہ سے بہت مشہور ہے، ایک جوڑا ہجرت کرتا ہے اور پاکستان کو اپنا نیا مسکن بناتا ہے۔ پیلی بھیت چونکہ لکھنؤ، آگرہ اور دہلی سے قریب ہے، لہٰذا اس جوڑے کے برتاؤ اور رکھ رکھاؤ میں جہاں لکھنؤ کی مٹھاس، آگرہ کا رومانس اور دہلی کا ذائقہ موجود ہے، وہیں اس کے ساتھ برٹش انڈین آرمی کا تجربہ بھی شامل ہے۔ ان ہی کے ہاں تین بیٹیوں اور دو بیٹوں کے بعد 1958 میں ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے، جو آنے والے وقتوں میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کے آباو اجداد کا تعلق ایسے شہر سے ہے جو شیروں سے منسوب ہے۔

NED کے اس شیر کو لوگ راشد علی بیگ کے نام سے جانتے ہیں۔ راشد 1958 میں کراچی میں دانشوروں کے محلے ناظم آباد میں حامد علی بیگ کے ہاں پیدا ہوئے جہاں ہر طرف علم و دانش کے سفیر مکین تھے۔ کہتے ہیں کہ انسان کی پرورش میں اس کے ماحول اور آس پاس کے لوگوں کا بہت دخل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے راشد علی بیگ کی طبیعت میں ایک ٹھیراؤ، علم و ادب سے محبت اور ایک خاص بذلہ سنجی شامل رہی ہے، جو کسی بھی ذہین فرد کی شخصیت کا لازمی جزو ہے۔ عموماً درمیان میں پیدا ہونے والے بچوں کی شخصیت بڑے بہن بھائیوں کی بدولت دب سی جاتی ہے۔ لیکن یہ ان کے والدین کی پرورش اور بڑے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کا کمال ہے کہ یہ ایسی بھرپور شخصیت کے مالک بنے کہ ہر جگہ محسوس کئے جانے لگے۔

ان کے والد چونکہ برٹش انڈین آرمی سے منسلک تھے اور بعد میں پاکستان آرمی میں ایک سول (civil) افسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، 1979 میں ریٹائر ہوگئے۔ اسی لئے ان کی ساری اولادوں میں بے انتہا ڈسپلن پایا جاتا ہے۔

راشد نے جیکب لائنز اسکول سے میٹرک کیا، یہ اُس وقت کی بات ہے، جب لائنز ایریا تعلیم کے لئے مشہور تھا۔ جیکب لائنز اسکول کے بعد عائشہ باوانی کالج چلے گئے جہاں چند سال قبل ان کے بڑے بھائی عابد علی بیگ نے بھی پڑھا تھا۔

راشد جب ایف ایس سی کے پہلے سال میں تھے تو ان تمام نوجوانوں کی طرح جو فوج کی سروس سے بہت متاثر ہوتے تھے، سوچا کہ کیڈٹ کالج میں داخلہ لیا جائے۔ چند دوستوں کے ساتھ امتحان دیا، اس میں کامیابی حاصل کی اور اس طرح اپنے گھر سے ایک ہزار میل دور کیڈٹ کالج حسن ابدال چلے گئے۔ وہ فیصلہ بظاہر بہت دشوار اور سخت تھا، لیکن اس کی بدولت راشد کی شخصیت میں ڈسپلن پیدا ہوا اور زندگی میں میل جول اور سماجی رابطوں کی اہمیت کا احساس اجاگر ہوا۔ کیڈٹ کالج کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے خود اعتمادی میں اضافہ ہوا۔

راشد اپنے طالبعلمی کے زمانے میں کامیاب طالبعلم سیاستدان تھے، اور NED میں یونین کے صدر بھی بنے۔ کہتے ہیں کہ آج کی پاکستان کی سیاست میں فوج کے جوتے پالش کرنے والا کافی آگے تک جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ راشد نے بھی اپنے والد جو کہ ایک فوجی افسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے، ان کے کافی جوتے پالش کئے اور کامیاب ہوگئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج کی سیاست کی بوٹ پالش شرمندگی کا باعث اور راشد علی بیگ کی جوتوں کی پالش ایک اعزاز ہے۔

1977 میں راشد نے **NED** میں داخلہ لیا، اس زمانے میں فضا میں مردمومن مرد حق کی صدائیں گونج رہی تھیں، نوستارے بھٹو صاحب کے سیاسی چاند کو گرہن لگا چکے تھے۔ ایسے میں ایک نئے کالج اور وہ بھی خوابوں اور خیالوں کے کالج **NED** میں داخل ہوئے۔ جہاں اس زمانے کے ہر نئے طالبعلم کو سردار حنیف، فردوس شمیم، اکبر انصاری اور دیگر ساتھی گھیر لیا کرتے تھے۔ ان کا خلوص اور محبت بھرا گھیرا اتنا بھرپور تھا کہ راشد ان ہی کے ہو کے رہ گئے۔ آہستہ آہستہ پی ایس ایف میں کام کرتے کرتے **1979** میں یونین کے پبلیکیشن سیکرٹری اور **1980** میں صدر منتخب ہوئے۔

1982 میں **NED** سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک سال حیدری کنسٹرکشن میں کام کیا اور پھر امریکہ آ گئے۔ یونیورسٹی آف اوکلاہوما سے ماسٹرز کرنے کے بعد نیوجرسی میں کام کا غاز کیا اور آج بھی وہیں مقیم ہیں۔

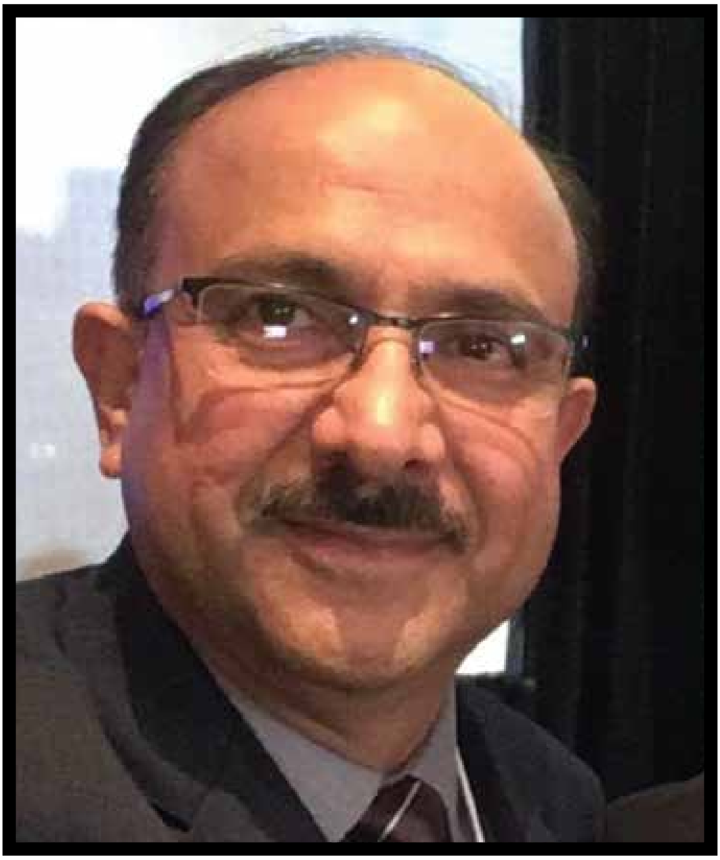

Rashid Ali Baig

ذوقؔ کا یہ شعر انہوں نے گرہ سے باندھ لیا تھا:

نام منظور ہے تو فیض کے اسباب بنا
پُل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا

امریکہ آنے کے بعد جتنے پل اور تعمیراتی کام انہوں نے کروائے ہیں شاید ہی خادمِ اعلیٰ کہلانے والوں نے اپنے دورِ حکومت میں کروائے ہوں۔

راشد امریکہ میں NED المنائی کی مختلف تنظیموں کے بانیوں میں سے ہیں، نیو جرسی اور نیویارک کی مقامی المنائی تنظیم کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ شمالی امریکہ کی NEDIAN-NA کے اینڈ وامنٹ فنڈ کے بورڈ کے رکن اور عہدیدار بھی رہے ہیں۔ 2015 میں راشد کو NEDINA-NA کا پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ بھی دیا گیا۔

راشد اپنی اہلیہ ڈاکٹر یاسمین میمن اور دو بچوں حسن اور سارہ کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ NED کی طلبہ سیاست کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی تو راشد علی بیگ کے نام کے بغیر نامکمل ہوگی۔

☆☆☆

ایک مضبوط انسان

ڈاکٹر سروش لودھی

سول انجینئرنگ۔1985

ایک مضبوط انسان

ڈاکٹر سروش لودھی

یہ خاکہ ہے، ایک ایسی ماں کے خوابوں کی تعبیر کا، جس نے اپنے بچوں کے خوابوں کے لئے خواب بُنے، اس کے لئے دن رات ایک کیا۔ اپنے شوہر کی قلیل تنخواہ میں، جو درس وتدریس سے وابستہ تھے، ایک بڑے کنبے کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اٹھائی اور اپنا اور اپنے بچوں کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ یہ خاکہ صرف اس شخص کا نہیں ہے، جو این ای ڈی میں تعلیم کے حصول کی غرض سے آیا اور وہیں کا ہو رہا۔ اور یہ خاکہ سروش حشمت لودھی کا بھی نہیں ہے، جو NED کا وائس چانسلر ہے، جو ایک سرکاری ملازم ہے اور اس بات کی تنخواہ لیتا ہے کہ ایمانداری سے کام کر کے اپنی تنخواہ حلال کرے۔

یہ خاکہ دراصل ان ماؤں کے نام ہے، جنہوں نے سروش جیسے فرزند پیدا کئے اور اپنی تعلیم اور روشن خیالی سے ہر اولاد کو اس طرح پالا کہ گھر میں ڈاکٹرز اور انجینئرز کا انبار لگا دیا۔ جی، پانچ ڈاکٹر اور دو انجینئر۔ ایسی ہی ماں نے اپنی دن رات کی محنت سے سروش کو سروش حشمت لودھی بنا دیا۔

کسی دانشور کا قول ہے کہ بہت زیادہ گھنے اور تناور درخت کے نیچے اگنے والے پودے دھوپ نہ ملنے کی وجہ سے جلد ہی سوکھ جاتے ہیں اور پروان نہیں چڑھتے۔ آپ اپنے آس پاس نظر دوڑائیں، بڑے بڑے ناموں کی اولاد گمنامی میں زندگی گزارتی ہے اور اپنے ماں باپ کے قد سے آگے نہیں نکل پاتی۔ آپ میں سے کتنوں کو یاد ہے کہ بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کا بیٹا کون ہے؟ کتنے یہ بتا سکتے ہیں کہ قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری کا خانوادہ اس وقت کہاں ہے؟ یا حبیب جالب کے بچے کس حال میں ہیں؟ اور رئیس امروہوی

کی اولاد کیا کر رہی ہے؟ یہ وہ نسلیں ہیں، جو اپنے قد آور ماں باپ کے گھنے سایہ دار درخت کے نیچے اپنا قد نہ نکال سکیں۔

سروش لودھی پروفیسر حشمت اللہ لودھی کے فرزند ہیں، ایک ایسی قد آور شخصیت جن کی قد آوری کی مثال ملنا مشکل ہے۔ سن 1970 کا کراچی جہاں حشمت اللہ لودھی صاحب ایس ایم سائنس کالج کے پرنسپل تو تھے ہی، لیکن ان کی آواز کی گونج ریڈیو پاکستان کی صوتی لہروں پر ایک کوئز ماسٹر کے طور پر پورے پاکستان میں سنائی دیتی تھیں۔ بزم طلبہ ہو یا جنگ اخبار، تعلیمی ادارے ہوں یا کوئی بھی ثقافتی فنکشن، 70 کی دہائی میں پروفیسر صاحب کی عدم موجودگی میں پھیکی پھیکی دکھائی دیتی تھیں۔ پھر ٹیلی ویژن آ گیا اور ہمارے ہر دلعزیز پروفیسر کی شکل سے بھی لوگ متعارف ہوتے گئے۔ وہ ایک بہت ہی گھنا اور تناور درخت تھے۔ لیکن ان کی اہلیہ جو خود بھی شعبہ تعلیم سے وابستہ تھیں، انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے بچوں کو اپنا قد نکالنے کے لئے ایک آزاد ماحول مہیا کریں گی۔ خواہ انہیں اس کے لئے کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے۔

سروش چھ سات سال کے تھے، جب اپنے والد کی انگلی پکڑ کر اسکول جانا شروع کیا۔ اور یہ لاشعوری طور پر طے کر لیا کہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے استاد ہی بنیں گے۔ اس کی وجہ بھی ماں باپ سے قربت اور دلی وابستگی تھی اور یہ ان دونوں کو اپنا آئیڈیل سمجھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ بیٹا بڑا ہو کر عادات واطوار میں باپ بن جاتا ہے اور بیٹی ماں پہ چلی جاتی ہے۔ لیکن وہ بچے جو ماں کے بہت قریب ہوں، وہ باپ کی عادتیں اپنانے کے باوجود ماں کا عکس ہوتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ سروش کے ساتھ بھی ہوا۔ ان کی رگوں میں پروفیسر حشمت لودھی جیسے باپ کا تدبر اور ماں کی محبت اور اخلاص کی خاصیت خون بن کر دوڑنے لگی۔ اور اس خون نے وہ تاثیر دکھائی کہ ایک بہت قد آور درخت کے سائے میں ایک اور قد آور درخت پروان چڑھنے لگا اور اس قد آور درخت کو ہم اور آپ صرف سروش نہیں، بلکہ سروش حشمت لودھی کے نام سے جانتے ہیں۔

سروش 19 جون 1980 کو NED میں داخل ہوئے، کہتے ہیں کہ رجحان ہمیشہ سے سول انجینئرنگ ہی کی طرف تھا کیونکہ میکینیکل انجینئرنگ سے انہیں میکینک یاد آتا تھا اور الیکٹریکل سے لوڈ شیڈنگ۔ لیکن این ای ڈی نے سروش کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا۔ ساڑھے پانچ سال کا NED میں قیام سروش کی شخصیت کے لئے ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوا۔ دوستوں کا ایک ایسا گروپ بن گیا جو نہ صرف ان کی ذہنی نشوونما کرنے لگا بلکہ تعلیمی میدان کے ساتھ ساتھ کیمپس کے باہر بھی زندگی میں غزال کی طرح چھلانگیں مارنے لگا۔

اٹھارہ سال کی عمر ہو، انجینئرنگ کا کیریئر تو کس کی خواہش نہیں ہوتی کہ ہر محفل کی جان بنا رہے۔ دوست بنائے اور ایسے بنائے کہ آج تک نہ صرف دوست ہیں، بلکہ NED کے محسن بھی اور ان ہی کے جلو میں ہمیشہ کھیلتے کھیلتے سول انجینئر بن گئے۔ پانچ ماہ نوکری کی اور پھر اوریگن اسٹیٹ یونیورسٹی میں ماسٹرز کے لئے امریکہ چلے گئے اور کولمبس کی طرح اپنا پہلا قدم امریکہ پر رکھ دیا۔ یہاں صرف تعلیم ہی حاصل نہیں کی بلکہ زندگی کو برتنا بھی سیکھا۔ ٹی شرٹس، شارٹس اور اسنیکرز پہنے اور یہ بھی سیکھا کہ فیصلے کیسے کئے جاتے ہیں، اپنے خیالات پر کس طرح قائم رہا جا سکتا ہے۔ اور یہ سیکھ لیا کہ

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

لیکن اس کے باوجود اخلاق اور وضع داری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا یعنی اپنے خیالات میں polite but firm۔ NED میں بحیثیت استاد کے سن 1988 میں شامل ہوئے اور آج 33 سال بعد بھی NED کی پروفیسری کو اپنے سر کا سب سے اہم تاج سمجھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ پُوت کے پاؤں پالنے میں نظر آ جاتے ہیں، پیشتر اس کے اس پوت کے پاؤں پالنے سے باہر نکلتے، ماں باپ نے فیصلہ کیا کہ ان کے پاؤں میں شادی کی زنجیر باندھ دی جائے۔ یوں وہ گرمیوں کی ایک شام اگست 1993 میں ایک ایسی خاتون سے رشتے میں باندھ دیئے جاتے ہیں جن کے تین نام ہیں یعنی صائمہ، عطرت اور شمشاد۔ جی ہاں یہ ایک ہی نام ہے۔ یہ غالباً اسلئے بھی ضروری تھا کہ اگر کسی ایک سے ان بن ہو جائے تو گھر سے نہ نکالے جائیں اور بیگم کے ساتھ good books ہی میں رہیں۔

سن 1994 میں Heriot-Watt یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی پروگرام میں شامل ہوئے جہاں وہ اپنی بیگم اور دو ماہ کی بیٹی کے ساتھ گئے اور سن 1998 میں پی ایچ ڈی کر کے مادرِ علمی میں واپس آئے اور ساتھ میں ایک بیٹے کو بھی لائے جسے اللہ نے ان کے اور ان کی بیگم کے آنگن میں رحمت بنا کر بھیجا تھا۔

لودھی خاندان کی تاریخ یہ ہے کہ وہ افغان النسل ہیں۔ لودھیوں نے مغلیہ سلطنت سے پہلے ہندوستان پر 1451 سے لے کر 1526 تک یعنی 75 سال حکومت کی ہے۔ بہلول لودھی پہلے اور ابراہیم لودھی آخری حکمران تھے۔ جنہیں بالآخر بابر نے پانی پت کے میدان میں شکست دی تھی۔ لیکن ہمارے لودھی خانوادے کی ابتدا پروفیسر حشمت لودھی نے کی۔ اور آج تعلیم کے میدان میں نوے (90) سال بعد بھی سروش لودھی کی صورت میں تعلیم کی دنیا میں حکمران بنے ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ابراہیم لودھی پانی پت میں

شکست کھا گیا تھا لیکن سروش لودھی نے NED جیسے ادارے کی جنگ معاشی پت میں لڑی اور اس میں سرخرو بھی ہوئے۔

امریکہ سے آنے کے بعد NED کا سفر دوبارہ شروع ہوا۔ استاد، بڑے استاد، اور بہت بڑے استاد رجسٹرار اور بالآخر وائس چانسلر یعنی شیخ الجامعہ کے عہدے تک پہنچے۔ سن 2017 سے جامعہ NED کے وائس چانسلر ہیں اور یہ سفر کامیابی سے جاری ہے۔ NED کو تمام تر مالی مشکلات سے نکال چکے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک ماں وہ ہوتی ہے، جو ہمیں پیدا کرتی ہے اور دوسری ماں وہ درسگاہ، جو ہمیں عملی زندگی میں آگے بڑھنا سکھاتی ہے۔ سروش نے اپنی ماں اور اپنی مادرِ علمی کا جس طرح حق ادا کیا ہے، وہ ایک ایسی مثال ہے، جس پر سروش لودھی کی تمام تر انکساری کے باوجود ہر NEDIAN کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ سروش لودھی یقینی طور پر اپنے ماں باپ کے خوابوں کی تعبیر ہیں۔

سروش۔ تم جیئو ہزار برس، ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار۔

☆☆☆

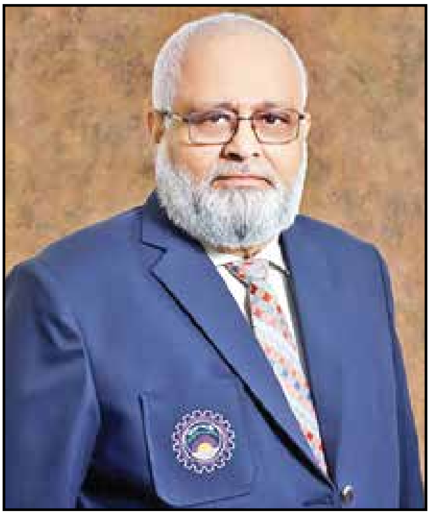

Dr Sarosh Lodi

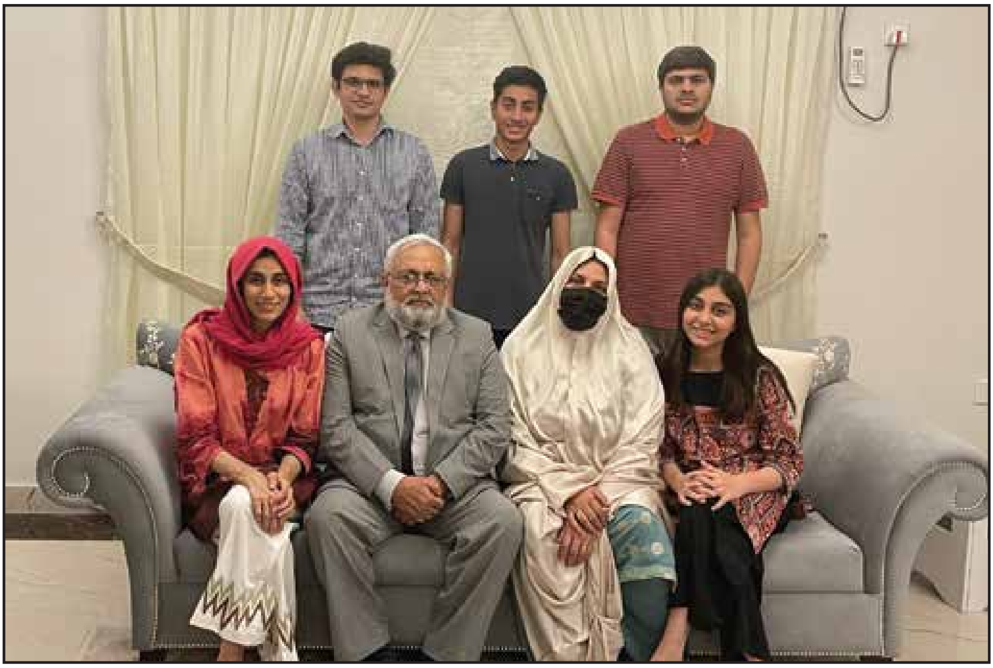

ایک لیجنڈ

سہیل بشیر

سول انجینئرنگ۔1983

ایک لیجنڈ

سہیل بشیر

78 کا سال ہے، NED میں نیا سال شروع ہوتا ہے، انٹرمیڈیٹ کی نئی کھیپ داخل ہوتی ہے۔ ہر شخص تھوڑا تھوڑا سہما ہوا، چونکہ NED میں داخلہ ایک خواب اور اس کا ماحول اپنے اندر ایک دہشت سی رکھتا ہے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کی یونین ہے، جو کہ پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ کے کئی سال کے مسلسل اقتدار کے بعد وجود میں آئی ہے۔

اسی سال ایک ایسا لڑکا بھی داخل ہوتا ہے، جو 21 مارچ 1960 کو اس دنیا میں ایک تعلیم یافتہ جوڑے بشیر احمد اور نسیم بشیر کے ہاں پیدا ہوتا ہے جس کا Zodiac Sign Aries ہے۔ اس برج کے تحت پیدا ہونے والے لوگ کچھ منفرد خصوصیات رکھتے ہیں جن کی شخصیت میں بے انتہا Boldness، حوصلہ اور چیلنج کو قبول کرنا اور اپنے آپ کو نمبرون دیکھنا شامل ہے۔ ان ہی تمام خصوصیات کے ساتھ اس جوڑے کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا نام سہیل بشیر رکھا جاتا ہے۔ جو کہ میرے اس خاکے کا عنوان بھی ہے۔

سہیل بشیر کراچی میں پیدا ہوئے اور مکمل ناظم آبادی ہیں اگر ان کی ابتدائی تعلیم کو دیکھا جائے تو گارڈن ایسٹ یعنی رئیس امروہوی اور جون ایلیا کا محلّہ پھر علامہ اقبال ٹاؤن نارتھ ناظم آباد، پھر پپی ڈیل اسکول اور ایس ایم پبلک اسکول ناظم آباد۔ ان کی ابتدائی تعلیم اور محلّوں کو دیکھ کر لگتا ہے، یہ بڑے ہو کر کسی تنظیم کے سیکٹر انچارج بنیں گے۔ لیکن یہ اندر سے ایک ترقی پسند انسان ہیں۔ ایک نہایت تعلیم یافتہ ماں کے بیٹے، جو

انگریزی کی مشہور پروفیسر ہیں۔ ماضی میں گلوب اسکول، پپی ہولڈ ہوم اسکول اور آج کل اسی (80) سال کی عمر کے باوجود البدر اسکول کی ایڈمن ہیں۔ جنھوں نے سہیل اور دیگر اولادوں کو یہ تربیت دی ہے کہ اپنی سوچ رکھو، دوسروں کیلئے بھی وہی اچھا سمجھو، جو اپنے لئے سمجھتے ہو۔ اسی تربیت کی بدولت سہیل بشیر کی طبیعت میں بلا کا انکسار اور محبت شامل ہے۔ جو اس خون کی تاثیر ہے، جو کہ ایک نیک اور صالح ماں باپ کی طرف سے اولاد کی رگوں میں دوڑ رہا ہوتا ہے۔ ان کے نانا کی بہن بیگم بدر قریشی بھی انگریزی کی پروفیسر تھیں اور گورنمنٹ ویمن کالج فریئر روڈ کی پرنسپل بھی، جو کہ آج تک ایک بڑا اور مشہور کالج ہے۔

سہیل بشیر 78 میں NED میں داخل ہوتے ہیں اور 83 میں پہلی ڈگری لے کر نکل جاتے ہیں۔ یہ پانچ سال کا عرصہ سہیل بشیر کی زندگی کا بہترین اثاثہ ہے جہاں وہ پی ایس ایف کے کارکن بنتے ہیں، Build a better NED اور NED for NEDIANS کے نعرے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ نعرہ خود اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ طبیعت میں بیرونی مداخلت برداشت نہیں کرتے اور جہاں رہتے اور بستے ہیں، اسی کی سوچتے ہیں، نہ کہ کسی بیرونی ایجنڈے کی۔ یہی مزاج آگے چل کر ان کی شخصیت کا حصہ بنتا ہے۔ وہ چاہے گھر ہو یا اولاد، NED ہو یا شوہر کی ذمہ داریاں، انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرز ہو یا کچھ اور۔ ہر جگہ وہ مکمل دیانتداری اور ایمانداری سے سب کی بہتری کیلئے کام کر رہے ہیں۔

اسی طرح جب 1979 میں NED اسٹوڈینٹس یونین کے انتخابات ہوتے ہیں تو طلبہ پھر پی ایس ایف کا پینل منتخب کرتے ہیں اور سہیل بشیر کو فرحت عادل، محمد حسین اور راشد علی بیگ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور وہ راشد علی بیگ کی سرپرستی میں ماہانہ میگزین معمار اور The Young Engineers نکالتے ہیں۔ 1979 میں جب ابلاغ کے ذرائع معمار اور The Young Engineers میں اپنا رنگ دکھا دیتے ہیں تو پی ایس ایف کے بڑوں کی نظروں میں آجاتے ہیں اور پھر NED کی اس تاریخی یونین کے پبلی کیشن سیکرٹری بھی بنتے ہیں جن کا ہر عہدیدار آج تک ہر NEDIAN کی آنکھ کا تارہ بنا ہوا ہے۔ اور بیشتر اس کتاب کا حصہ بھی ہیں جس میں راشد علی بیگ، امان اللہ حنیف، سہیل بشیر، احمد فاروق بازئی، آفتاب صدیقی، مظہر علی اور مرحوم خالد ڈار شامل ہیں۔ ان سب ناموں کی سنگت سہیل بشیر کے اندر ایک ایسا Aries پروان چڑھا رہی تھی جس کو آنے والے وقت میں Legend کا خطاب ملنے والا تھا۔ جب فائنل ائیر میں پہنچے تو اسی NED میں جہاں یہ 78 میں سہمے سہمے داخل ہوئے تھے، اب ایک مکمل لیڈر بن چکے تھے اور بالآخر 83 میں پی ایس ایف کے چیئرمین بھی بن گئے۔

اور اپنی ٹیم کی، جس میں ندیم حسین، محمد علی پاشا، صفوان شاہ اور امیر الاسلام بھی شامل تھے، 83 کے الیکشن میں ایک بار پھر پی ایس ایف کی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اور ندیم حسین صدر، محمد علی پاشا جنرل سیکرٹری اور امیر الاسلام پبلی کیشن سیکرٹری منتخب ہوئے۔ بدقسمتی سے یہ یونین آخری اسٹوڈینٹس یونین ثابت ہوئی اور مرد مومن مردِ حق نے طلبہ یونین پر بندش لگا کر طلبہ سیاست کا گلا گھونٹ دیا اور اسے لسانی اور گروہی سیاست کی نذر کر کے خود بھاولپور کی فضاؤں میں راکھ کی مانند بکھر گئے۔

سہیل بشیر کے بے تکلف دوست کہتے ہیں کہ لبرل سہیل بشیر جب سے مولانا سہیل بشیر ہوا ہے، طبیعتاً بھی سعودی ہو گیا ہے اور اندر سے بادشاہت پر یقین کرنے لگا ہے۔ دونوں بیٹوں کے نام مبشر بن سہیل یعنی ایم بی ایس اور علی بن سہیل یعنی اے بی ایس رکھے ہیں۔ جو کہ ان کے مکمل عرب ہونے کی دلیل ہے۔ سہیل بشیر کی بیگم ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر صفیہ سہیل کہلاتی ہیں۔ سہیل بیگم سے اتنا متاثر ہے کہ بڑے بیٹے کو ڈاکٹر بنایا جو کہ NICVD میں ریذیڈنٹ کارڈیولوجسٹ ہے۔ دوسرا بیٹا اے بی ایس یعنی علی بن سہیل انجینئر بنا تو اس کے لئے بہو ڈاکٹر لائے اور بیٹی بھی ضیاء الدین اسپتال میں اسپیچ تھراپسٹ ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود سہیل بشیر کا دعویٰ ہے کہ وہ بیوی سے نہیں ڈرتے۔

سہیل بشیر نے 1983 میں بی ای، 1990 میں ماسٹرز، پھر 1992 میں لاء یعنی قانون کی ڈگری اور نیدرلینڈ سے 1994 میں ایک اور ماسٹرز کیا۔ سماجی اور عملی زندگی میں انسٹیٹیوٹ آف انجینئرز کے چیئرمین ہیں، 2018 سے 2021 اور 2021 سے 2024 تک پاکستان انجینئرنگ کونسل کے ممبر گورننگ باڈی، فیڈریشن آف انجینئرز کے ایگزیکٹو ممبر، ایشیئن سول انجینئرز کونسل میں بھی مختلف عہدوں پر فائز ہیں۔ نیم سرکاری اداروں میں بھی کام کیا اور اپنے نقوش چھوڑے۔ نیدرلینڈ اور جاپان سے مختلف اعزازات بھی حاصل کئے۔ NED کی سینٹ کے ممبر ہیں اور NED کے وزیٹنگ فیکلٹی پروفیسر بھی۔ اور انہوں نے ماسٹرز کے پروگرام بھی ڈیزائن کئے۔

مجھے لگتا ہے کہ ان کی مصروفیت کو دیکھ کر ہی ان کی بیگم نے بچوں کو یا تو ڈاکٹر بنایا یا ڈاکٹروں کے سپرد کیا کیونکہ اتنے مصروف انجینئر پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک بیٹے اے بی ایس یعنی علی بن سہیل نے 2016 میں گریجویشن کیا یعنی ان کی دو نسلیں NEDIAN ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ ان کی تیسری اور چوتھی نسل بھی NED ہی میں جائے۔

سہیل ایک ترقی پسند کلین شیو طالبعلم لیڈر تھے، لیکن پھر مزاج میں تبدیلی آئی اور اس در کے ہو لئے

جہاں جانا ایک نعمت اور وہاں ٹھیرنا اس سے بھی بڑی سعادت ہے۔ اب سہیل ایک باریش انسان ہیں، پانچ وقت کے نمازی ہیں، پرہیزگاری اور داڑھی کے باوجود ان کے اندر چھپا شریر اور سعادت مند سہیل بشیر ابھی بھی موجود ہے۔ جو کہ نیشنل کالج سے ہوتا ہوا NED آیا تھا اور دلی طور پر آج بھی وہیں کھڑا ہے۔

سہیل بشیر کہتے ہیں کہ ان کا دکھ تعلیمی اداروں میں اسٹوڈینٹس یونین پر پابندی ہے اور جس خواب کی تعبیر کے وہ منتظر ہیں وہ ان کی دوبارہ تشکیل اور طلبہ یونین کا دوبارہ احیاء ہے۔ طلبہ یونین دراصل آپس میں بات کرنے کا پلیٹ فارم ہوتا ہے۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا پروگرام۔ طلبہ کی فلاح و بہبود کا پروگرام اور مکالمے کا پروگرام۔ جب معاشرے میں آپس کے مکالمے کو نکال دیا گیا تو کہیں تو اس کی جگہ کلاشنکوف نے لے لی اور کہیں بوری میں بند لاشوں نے۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کسی کا نقطۂ نظر سننے کو تیار ہی نہیں۔ اگر اسٹوڈینٹس یونین آج بھی بحال ہو جائیں تو جس طرح چالیس سال میں مکالمہ زبان سے نکل کر بندوق کی نال تک پہنچا ہے، ممکن ہے یہ بندوق سے واپس زبان تک آنے میں صرف دس سال لے۔

سہیل بشیر کی زندگی پر نظر ڈالیں تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر ماں باپ عموماً اور ماں خصوصاً اپنے بچے پر خصوصی توجہ دے تو معاشرے کو کیسے شاہکار دیئے جاسکتے ہیں۔ NED ہی کے زمانے میں سہیل بشیر کے سات دوستوں کا مشہور زمانہ SNAFICS جو کہ ان کے سات دوستوں کے Abbreviation پر مشتمل تھا۔ سب کو یاد ہے اور ان کی منی Austin کون بھول سکتا ہے، جو کہ پی ایس ایف، NED اور اسٹوڈینٹس یونین کی Bullet ٹرین کا کام کرتی تھی، جو ہر جگہ وقت پر موجود ہوتی تھی۔ NED ہو، انسٹیٹیوٹ آف انجینئرز یا پاکستان انجینئرنگ کونسل سہیل بشیر سب جگہ نظر آئیں گے۔ جو کہ میرے خاکے کا عنوان بننے کے مستحق ہیں اور بے شک ایک باریش ترقی پسند Legend ہیں، جن کو ہم اور آپ سہیل بشیر کے نام سے جانتے ہیں۔

☆☆☆

Sohail Basheer

NEDAC کی آن

سیّد عمران احمد

الیکٹریکل انجینئرنگ۔ 1988

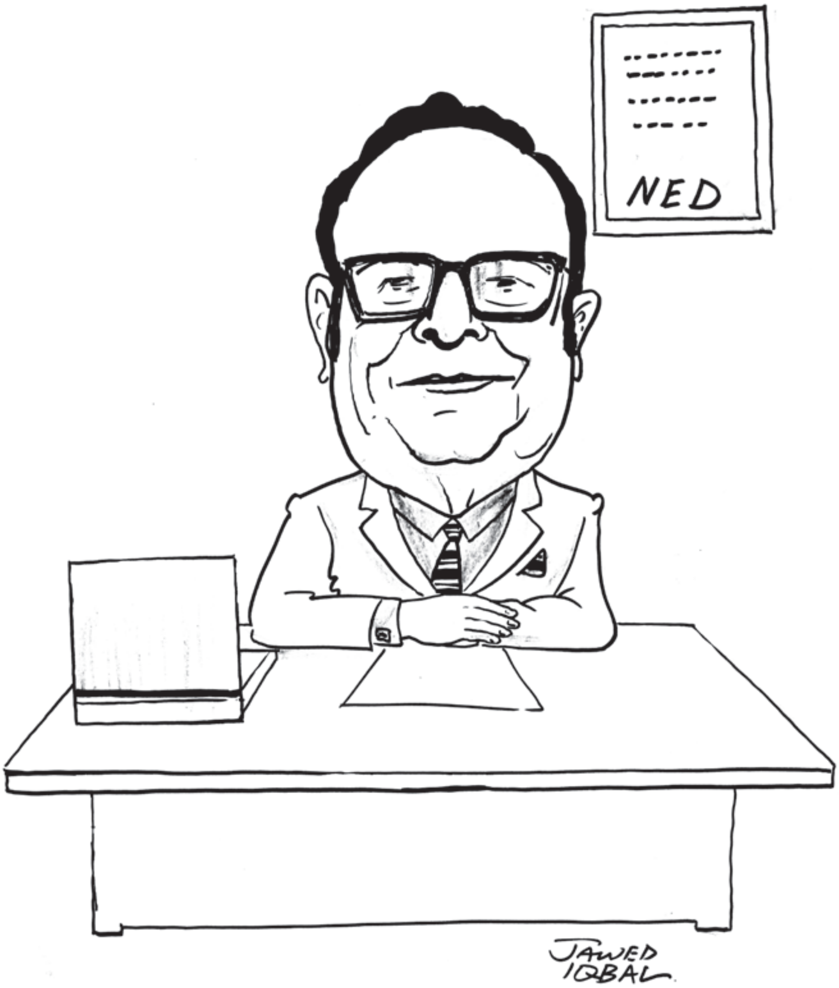

NEDAC کی آن

سیّد عمران احمد

2006 کا ذکر ہے کہ دیگر ملکوں کی طرح این ای ڈی کے سابق طلبہ کا کینیڈا میں ایک سر پھرا گروپ، جو کہ اپنی مادرِ علمی سے عقیدت کی حد تک محبت کرتا ہے، کینیڈا میں بسنے والے سابق این ای ڈیئنز کے لئے ایک تنظیم بناتا ہے جسے NEDAC کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے ہراول دستے میں ڈاکٹر زبیر، نصیر احمد، ادریس خان، مظاہر بھائی اور دیگر شامل ہیں۔ ہمارے دوست ڈاکٹر زبیر اس کی صدارت سنبھالتے ہیں، اس کے قواعد وضوابط تیار ہوتے ہیں جن کی رو سے ہر دو سال بعد انتخابات ہوتے ہیں۔ اگلے سال کی صدارت مظاہر صاحب اور پھر عصمت کمال کے پاس آتی ہے اور پھر ہمارے دوست ادریس کے پاس۔

ادریس این ای ڈی والوں کے گرو بھی ہیں، اور ایک خاص گروپ اور اثر ورسوخ بھی رکھتے ہیں اور پھر نیڈک کے ابھرتے چاند کو گرہن لگ جاتا ہے، اپنوں کی ایسی لڑائی ہوتی ہے کہ گھمسان کا رن پڑتا ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس گھر کو آگ لگ گئی، گھر کے چراغ سے۔

غالباً 2013 کا ذکر ہے کہ این ای ڈی کے سابق طلبہ کی اس تنظیم کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ بچپن کے دوست ایک دوسرے کے دشمن بن چکے ہیں اور NEDIANS پر ایک اداسی طاری ہے کہ ان کی ایسوسی ایشن کی چاندنی ختم ہوگئی اور اماوس کی رات شروع۔ ایسے میں ایک شخص آگے آتا ہے، جسے نیڈک میں مختلف حیثیتوں میں کام کرنے کا تجربہ بھی ہے، اور لگن بھی۔ 2014 میں دوبارہ انتخابات ہوتے ہیں، اور یہ شخصیت جس کا نام عمران احمد ہے، ایسوسی ایشن کا صدر بن جاتا ہے اور یہی عمران میرے اس شخصی خاکے کا مرکزی کردار بھی ہے۔

عمران احمد 15 دسمبر 1964 کو برنس روڈ کراچی میں محمد احمد صاحب اور فریدہ احمد کے ہاں

پیدا ہونے والی دوسری اولاد ہیں، احمد صاحب نے 1947 میں پاکستان ہجرت کی، آبا واجداد کا تعلق کاروباری دنیا سے تھا۔ اوران کی فیکٹری میں اس وقت دوسو ملازمین تھے، سونے اور چاندی کے ورق بناتے تھے۔ عجب اتفاق ہے کہ دسمبر کی سردیوں میں پیدا ہونے والے عمران ایک نہایت ٹھنڈا مزاج تو رکھتے ہی ہیں لیکن چونکہ پیشۂ آبا گری سونے اور چاندی کے ورق ہیں، جو سونے اور چاندی کو کوٹ کوٹ کر بنائے جاتے ہیں۔ اس لئے ان میں سونے اور چاندی کو پرکھنے کی پیدائشی صلاحیت موجود ہے۔ اسی صلاحیت کی بنیاد پر انہوں نے آگے چل کر این ای ڈیئنز کی تنظیم کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کردیا، جس کا مقابلہ نارتھ امریکہ تو کیا دنیا کی کسی بھی این ای ڈیئنز کی تنظیم سے کیا جاسکتا ہے۔

عمران نے ابتدائی تعلیم ایس ایم پبلک اسکول سے حاصل کی اور پھر میٹرک کے بعد ڈی جے سائنس کالج آ گئے۔ چونکہ برنس روڈ کے رہائشی تھے، لہٰذا ڈی جے آ کر بھی گھر میں ان کی پرورش کے علاوہ نشوونما کی زیادہ تر ذمہ داری نصیر کباب ہاؤس، ملک نہاری، وحید کے دھاگے والے کباب، فریسکو کے سموسے اور پیڑے والی لسی نے لے لی اور یہ ان ہی کبابوں، سموسوں، نہاری اور لسی کے درمیان نامعلوم کب اتنے بڑے ہوگئے کہ این ای ڈی جا پہنچے۔

1983 میں این ای ڈی آئے، اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ کم از کم ایک سال انہیں اسٹوڈینٹس یونین کو دیکھنے کا موقع ملا کیونکہ اس کے بعد جنرل ضیاء الحق نے اسٹوڈینٹس یونینز پر پابندی لگادی اور طلبہ سے سیاست کے اسرار و رموز سمجھنے پر بھی۔ جو آگے چل کر ان کی شخصیت کا حصہ بنا اور نیڈک کینیڈا کو کامیابی سے چلانے کے کام بھی آیا۔

1988 میں الیکٹریکل انجینئرنگ میں بی ای کی ڈگری حاصل کی اور سات سال پاکستان میں کام کیا اور پھر ہر محبّ وطن پاکستانی کی طرح ملک چھوڑ دیا۔ اور کینیڈا آ گئے، نارتھ امریکہ میں کینیڈا، امریکہ اور پھر کینیڈا کی خاک چھانتے رہے۔

عمران نے عملی زندگی کا سفر 1988 میں شروع کیا، اور 1992 میں والدین نے ان کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ جون 1992 میں عافیہ کو اپنی شریک حیات بنایا۔ عافیہ بھی عمران ہی کی طرح خوش مزاج اور رکھ رکھاؤ والی خاتون ہیں۔ عمران کے پانچ بھائی ہیں اور کوئی بہن نہیں، اسی طرح عافیہ اور عمران کے بھی تین بیٹے ہیں کوئی بیٹی نہیں۔ عمران نے کینیڈا میں رہنے والے **NEDIANS** کے لئے **NEDAC** کے پلیٹ فارم سے جو کام کئے، وہ یقینی طور پر انہیں دوسروں سے نمایاں کرتے ہیں۔ پبلک آفس سنبھالنا اور چلانا ایک

Syed Imran Ahmad

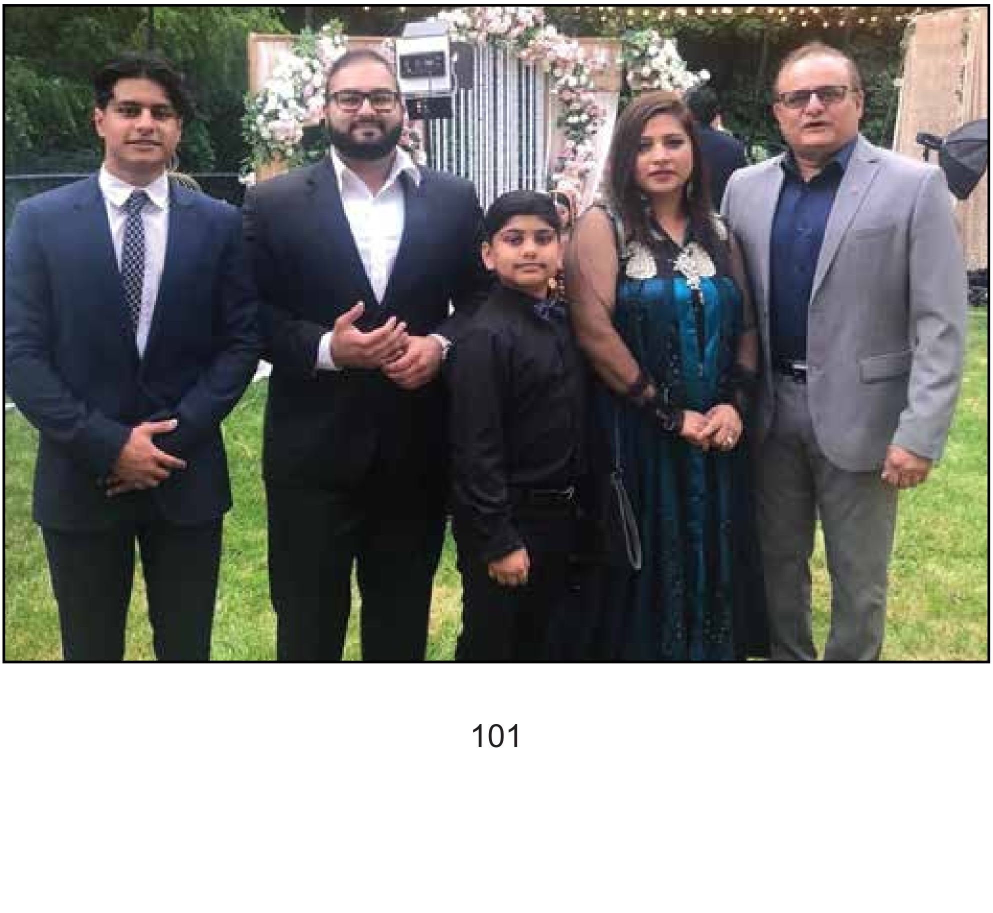

مشکل کام ہے جو بیویوں کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ عافیہ کو اس میں پورے نمبر دیئے جاتے ہیں، جس طرح سے اس نے عمران کا ساتھ دیا اور تنظیم کو چلانے میں مدد دی۔

عمران سے میں پہلے سے واقف نہیں تھا۔ گو کہ میرا خاندانی تجربہ سونے اور چاندی کو پرکھنے کا نہیں ہے۔ لیکن نامعلوم کیوں، مجھے عمران میں ایک خاص بات نظر آئی، وہ اپنے سینئرز کا احترام، اپنے ساتھ والوں سے برابری کا برتاؤ، اور اپنے چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے، جس کی وجہ سے ان کا نام NEDAC میں بھی اور میری کتاب میں بھی شامل ہے۔

☆☆☆

این ای ڈی کا محسن

مُراد علی شاہ

سول انجینئرنگ۔1985

این ای ڈی کا محسن

مُرادعلی شاہ

یہ واقعہ ہے، 1977 کا اور مقام ہے، NED کا نیو کیمپس ، جہاں قائداعظمؒ کی صد سالہ تقریبات منائی جارہی ہیں ۔ بین الکلیاتی اردو مباحثہ ہے، جس میں ہم نے سندھ کے ایک قدرے نو جوان ممبر صوبائی اسمبلی کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے بلایا ہے۔مہمان خصوصی تقریر کے لئے اسٹیج پر آتے ہیں اور اپنے خطاب میں کہتے ہیں کہ کاش میں بھی آپ لوگوں کی طرح انجینئر ہوتا تو نا معلوم کتنی ترقی کرتا۔لڑکے قہقہہ لگاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پارلیمنٹ کا ممبر ہونا سب سے بڑا رتبہ ہے مہمان کو اور کیا چاہئے۔معزز مہمان سنجیدہ ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بچو! یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ سیاست میں کرسی آنی جانی شئے ہے۔لیکن اگر میں انجینئر ہوتا تو زندگی بھر یہ اعزاز مجھ سے کوئی نہیں چھین پاتا اس سیاست دان کا نام تھا،سید عبداللہ شاہ، جو سندھ کے ایک نوجوان ممبر اسمبلی تھے اور بعد میں وزیراعلیٰ بھی بنے۔اور اس خاکہ کی شخصیت ان کے بڑے بیٹے سید مراد علی شاہ ہیں، جو NED کے قابل فخر سپوت بھی ہیں اور اُس وقت کے نوجوان سید عبداللہ شاہ کے بیٹے بھی۔

11 اگست 1962 کو سید عبداللہ شاہ اور رشیدہ شاہ کے ہاں بڑی بیٹی کے بعد پہلا بیٹا پیدا ہوتا ہے۔اور گھر میں ہر طرف خوشیاں بکھیر دیتا ہے۔اس کا نام سید مراد علی شاہ رکھا جاتا ہے۔ مراد علی شاہ سے پہلے اس گھر کے آنگن میں ایک بیٹی پہلے سے موجود تھی، مراد کے بعد ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ان کے آنگن کی روشنی بنیں، یوں ان کا خاندان سات بہن بھائیوں پر مشتمل ہے۔

عبداللہ شاہ جب گیارہ سال کے تھے تو ایک حادثہ میں ان کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا اور اس کم عمری ہی میں خاندان کے سب سے بڑے بن گئے، کہتے ہیں کہ جب کسی کا باپ اس دنیا سے رخصت ہوجائے تو بیٹا خواہ کسی عمر کا ہو، وہ بڑا ہوجاتا ہے۔دنیا میں زیادہ تر لوگ اسی طرح بڑے ہوئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جن خاندانوں میں کوئی کم عمری میں یتیم ہو جائے، وہ یا تو مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں کر پاتا یا وہ معاشرے کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور حالات کو چیلنج کرتا ہے۔ یہی کچھ مراد علی شاہ کے والد مرحوم سید عبداللہ شاہ صاحب کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ صرف گیارہ سال کی عمر میں خاندان کے بڑے بن گئے، بلکہ اپنی جہدِ مسلسل سے پورے سندھ کے بڑے یعنی وزیر اعلیٰ بن بیٹھے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ خصوصیت اپنے بچوں میں منتقل نہ کرتے۔ 76 میں کہی ہوئی یہ بات کہ کاش میں انجینئر ہوتا، اس بات کی نشانی تھی کہ عبداللہ شاہ تعلیم کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مراد علی شاہ سے لے کر آخری اولاد میں ایک بات مشترک ہے کہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ سیہون کے گاؤں واہوڑ اور باجارہ سے نکلنے والا یہ شخص جب رشیدہ شاہ کو اپنا ہم سفر بناتا ہے تو ساتھ ایسے نگینے بھی تراش دیتا ہے جن میں مراد علی شاہ اسٹین فورڈ سے ڈبل ماسٹر، تین بہنیں ڈاکٹر، امریکہ میں قیام پذیر، ایک بہن ایم بی اے کی گولڈ میڈلسٹ اور ایک ستارۂ امتیاز کی حامل اور چھوٹا بھائی بھی امریکہ سے تعلیم یافتہ۔

مراد علی شاہ کے گاؤں واہوڑ اور باجارہ کی قسمت دیکھئے کہ۔

جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

کراچی کے بیٹے ہیں، گویا پیدائش کراچی کی۔ ان کی ابتدائی تعلیم حیدرآباد اور پھر کراچی میں سینٹ پیٹرک اسکول میں ہوئی اور پھر ہر ذہین طالبعلم کی طرح ڈی جے کالج اور بالآخر NED۔ جہاں سے سول انجینئرنگ میں 85 میں فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ اور امریکہ اپنے طور پر دریافت کرنے کے لئے اسٹین فورڈ یونیورسٹی سے ماسٹر کے لئے چلے جاتے ہیں۔ 87 میں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں ماسٹرز بھی کر لیتے ہیں، عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد بی سی آئی، حیدرآباد ڈیولپمنٹ اتھارٹی، واپڈا، پورٹ قاسم، کراچی فشریز اور پھر آخر میں سٹی بینک آف کویت اور گلف انوسٹمنٹ کارپوریشن میں مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے۔

ان کی یہ ملازمتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مراد علی شاہ نہ صرف ایک قابل انجینئر ہیں بلکہ مقامی اور بین الاقوامی دونوں جگہوں پر اپنا مقام میرٹ پر بنانا جانتے ہیں۔ 1992 میں دوبارہ Stanford یونیورسٹی جاتے ہیں جہاں کی فضاؤں، گلیوں اور کوریڈورز سے ان کو پہلے سے شناسائی ہے۔ اور اکنامک انجینئرنگ سسٹم میں ماسٹرز کرتے ہیں۔

وقت گزرتا رہتا ہے، اب مراد علی شاہ اپنی فرسٹ کزن یعنی خالہ کی بیٹی سے رشتہ ازدواج میں بندھ چکے ہیں جو خود بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں اور دو خوبصورت بچوں کے والدین بھی بن چکے ہیں کہا جاتا ہے کہ

انسان اپنے لئے کچھ پروگرام بناتا ہے اور اللہ کچھ اور۔ اللہ کا پروگرام خالق کا پروگرام ہے اور ہمارا مخلوق کا۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مخلوق خالق سے اوپر ہو جائے۔ مراد علی شاہ نے تمام عمر انٹرنیشنل اداروں کے ساتھ کام کیا اور ایک بہتر مستقبل کے لئے اپنے خاندان کو کینیڈا منتقل کر دیا لیکن اللہ کے کمپیوٹر میں ان کے لئے کچھ اور پروگرامنگ جاری تھی۔

پرویز مشرف کے 2002 کے انتخابات کا اعلان ہوتا ہے، عبداللہ شاہ صاحب جلاوطن ہیں، پارٹی فیصلہ کرتی ہے کہ اس خاندان کے ایک گوہر نایاب کو سیاست کے میدان میں آزمایا جائے اسی سال کارپوریٹ مراد علی شاہ نے ایک نئے مراد علی شاہ کو جنم دیا، یہ پارلیمنٹ میں منتخب ہوتے ہیں، آنے والے دور کے سندھ کا چہرہ بنتے ہیں۔ اسٹین فورڈ کی تعلیم اور عالمی اداروں میں نوکری کا تجربہ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ جیسے دادی اماں کی زبان میں کہتے ہیں کہ پُوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آجاتے ہیں۔ اس سیاسی نومولود نے آنے والے وقتوں میں اپنی پارٹی کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر، سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر، نائب صدر پاکستان پیپلز پارٹی کا عہدہ سنبھالا اور 2008 سے 2013 تک سندھ کی مختلف وزارتیں بھی سنبھالیں۔

2013 میں الیکشن نہیں لڑ سکے، کیونکہ کینیڈین شہریت رکھتے تھے اور وہاں کی شہریت چھوڑنے کا سرٹیفکٹ نہیں مل سکا تھا۔ 2013 سے 2014 تک ایڈوائزر رہے اور 2014 سے 2016 پھر وزیر۔ 2016 میں پھر منتخب ہوتے ہیں اور آج تک سندھ کے وزیراعلیٰ ہیں۔

یہ تو وہ تفصیل ہے، جو ہم میں سے زیادہ تر لوگ جانتے ہیں۔ لیکن یہ مکمل مراد علی شاہ نہیں ہیں، یہ سیاسی مراد علی شاہ ہیں، ایک مراد علی شاہ وہ بھی ہے، جو کراچی کا بیٹا ہے، کراچی کی گلیوں اور محلوں میں کھیلنے کودنے اور دوست بنانے، طلبہ سیاست کرنے والا مراد علی شاہ۔ ایک ایسے خاندان کا فرد جو مکمل تعلیم یافتہ ہو، لیکن اس سے کہیں زیادہ بوریہ نشین، انکساری کا مکمل شاہکار، غریب کا ہمدرد، یاروں کا یار۔ سیاسی مراد علی شاہ تو ممکن ہے کہ اپنا وقت پورا کر کے منظرنامے سے اوجھل ہو جائے لیکن جس مراد علی شاہ کو اس کے دوست جانتے ہیں وہ زندگی کے ہر دور میں اپنے اندر ایسی مقناطیسی صلاحیت رکھے گا کہ لوگ اس کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے۔ وہ چاہے وزیراعلیٰ ہونے کے باوجود قریبی دوست کی وفات پر دن بھر اپنے دوست کے جنازے میں موجود ہو نہ ہو۔

میں بحیثیت ادیب اور مقرر بہت کم لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں لیکن ایسے لوگ میرے دل میں اتر جاتے ہیں جو کہ اپنے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت اور محبت سے پیش آتے ہیں، زندگی کی دوڑ میں

ساتھ چلنے والوں میں اگر کوئی پیچھے رک جائے تو تھوڑا سا رک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں، مراد علی شاہ مجھ سے NED میں آٹھ سال جونیئر ہیں، میں نے ان کے سب سے قریبی دوست سے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو حیران کن طور پر انہوں نے مجھے خود فون کر کے چیف منسٹرز ہاؤس میں وقت دیا اور ایسے گفتگو کی کہ جیسے چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کرتا ہے ان کے اس رویے نے میرے اس ایمان کو مزید پختہ کر دیا کہ باادب بانصیب ہوتا ہے اور مراد علی شاہ بانصیب آدمی ہیں۔ سیاست اور ذاتی زندگی ٹرین کی وہ دو پٹریاں ہیں، جو ساتھ ساتھ تو چلتی ہیں لیکن آپس میں کہیں نہیں مل پاتی۔ سندھ کا وزیر اعلیٰ کراچی کا دکھ اور درد، پیپلز پارٹی کی پورے سندھ پر حکومت، لوگوں کی شکایات، اور perception اپنی جگہ۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ ایک ایسا شخص جس کا والد سیہون کے گاؤں واہوڑ سے کراچی آئے، یہاں بچوں کو پڑھائے، بچے جوان ہوتے ہیں، پوائنٹ بسوں میں دھکے کھاتے ہیں، پی ایس ایف کے لیڈر بنتے ہیں، سبزی منڈی کے پراٹھے کھاتے ہیں اور وہ کراچی کا درد نہ رکھتے ہوں۔

مراد علی شاہ کراچی کا بیٹا ہے، کراچی کا نوجوان ہے، کراچی کا سپوت ہے، سیاست کی مجبوریاں اپنی جگہ، لیکن سیاست کی مجبوریاں ضمیر کی آواز سے زیادہ گونج نہیں رکھتیں۔ مراد علی شاہ سندھ کی سیاست اور مستقبل میں پاکستان کی سیاست کا ایک ایسا تابندہ اور روشن مستقبل ہے، جس سے خیر کی امید نہ رکھنا، خیر سے دشمنی ہے۔ NED کے نامور لوگوں کی جنہوں نے زمانۂ طالبعلمی سے لے کر آج تک دامے، درمے، قدمے، سخنے اپنی مادرِ علمی کی مدد کی، اگر فہرست بنائی جائے تو مراد علی شاہ کا نام اس میں سرفہرست ہوگا۔ NED کو مالی مسائل سے نکال کر معاشی طور پر مضبوط یونیورسٹی بنانے میں مراد علی شاہ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اسی لئے میں نے اس خاکے کا عنوان رکھا ہے: ”NED کا محسن۔۔ مراد علی شاہ“۔

☆☆☆

Murad Ali Shah

شاہوں کا شاہ

صفوان شاہ

الیکٹریکل انجینئرنگ۔1985

شاہوں کا شاہ

صفوان شاہ

مشہور زمانہ سپہ سالار نپولین بونا پارٹ کسی تقریب میں ایک بچے سے ملاقات کی اور اس سے مل کر اس نے کہا کہ اس بچے کے Manners نے آج اپنے ماں باپ سے بھی ملاقات کرادی۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب آپ ان سے ملیں تو آپ کو فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی پرورش میں ماں باپ نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ نپولین ہی کا ایک مشہور قول ہے کہ تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں ایک اچھی قوم دوں گا۔

میں جس NEDIAN سے آج آپ کو ملوانے جا رہا ہوں، ان کی تمیز، رکھ رکھاؤ اور محبت بھرے گفتار کے انداز سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ان کی زندگی میں ایک دیانتدار باپ اور ایک نہایت وفادار ماں نے کیا کردار ادا کیا ہے اور اس NEDIAN کا نام ہے، ''صفوان شاہ''۔ آپ جب صفوان شاہ سے ملیں گے تو ایک ہی لمحے میں صفوان اور ان کے والدین دونوں سے ملاقات ہو جائے گی۔

صفوان شاہ کا تعلق ایک ایسے تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے، جہاں صفوان تیسری نسل کے انجینئر ہیں، ان کے دادا اور والد بھی انجینئر تھے، سارے انکل بھی انجینئر ہیں۔ بہنیں ڈاکٹر اور ایم بی اے ہیں، گویا نپولین کے قول پر پوری اترتی ہیں کہ تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں ایک اچھی قوم دوں گا۔

صفوان جب اپنی ماں کا ذکر کرتے ہیں تو وہ روایتی ذکر نہیں ہے کہ مجھے ان سے بہت محبت ہے یا وہ عظیم عورت ہیں بلکہ وہ ماں کا ذکر ہمیشہ بہت افسانوی انداز میں کرتے ہیں کہ وہ ایک perpetual آرٹسٹ ہیں، میں نے انہیں ہمیشہ رنگوں اور کینوس میں مصروف دیکھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ماں کے پاس

میوزک کا نادر collection بھی ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں، جو صفوان شاہ کی طبیعت کے رجحان اور رومانس کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاتی ہیں کہ ان خصوصیات کے حامل لوگ کس قدر کھلے دل اور کھلے ذہن کے ہوتے ہیں اور روایتی اظہار کو اپنے اظہار کا ذریعہ نہیں بناتے۔ صفوان کی زندگی کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی فعل ہے۔ مذہب کی پیروی بھی ٹھیک ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ انسانوں کا خیال، ان کے احساسات کا بھرم اور رشتوں میں توازن قائم رکھنا بھی انسان کو اللہ سے قریب کرتا ہے۔ اور وہ اس کا صلہ انسان کو کامیابی کی صورت میں دیتا ہے اور بلاشبہ صفوان ایک کامیاب انسان ہیں۔

صفوان شاہ کہتے ہیں کہ وہ بارہ سال کی عمر ہی سے طبیعتاً باغی تھے، ان تمام روایات اور myth سے جو سوسائٹی میں پائی جاتی تھیں۔ جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے، ذہن کھلتا گیا تو اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ خوش اس بات پر ہیں کہ ان کے ساتھیوں اور زمانے نے ان کو ان ہی خصوصیات کے ساتھ قبول کیا۔ یہ بنیادی طور پر ایک Iconoclastic ہیں، جو کہ ہر اس روایت اور تہذیب سے بغاوت کرتا ہے، جو کہ سوسائٹی میں کسی وجہ کے بغیر انسانی ذہنوں پر چسپاں ہوں۔ چاہے وہ دادا دادی کی کہانیاں ہوں، یا مسجد، منبر، چرچ اور مندر کی بعض اوقات غیر عقلی اور غیر منطقی باتیں۔ صفوان شاہ نے ہمیشہ اپنی تیسری آنکھ سے چیزوں کو دیکھا ہے اور پرکھا ہے۔ یہ out of box thinker ہیں اور سمندر اور دریا کی وہ مچھلی ہیں، جو ہمیشہ against the current تیرتی ہے۔

صفوان کے والدین نے بھی قیام پاکستان کے بعد انڈیا سے ہجرت کی۔ والد ایک الیکٹریکل انجینئر اور والدہ ایک آرٹسٹ تھیں، کتابوں کی شوقین تھیں۔ والدہ نے چونکہ انگلینڈ میں پرورش پائی تھی۔ لہٰذا انگریزی زبان پر خاص عبور رکھتی تھیں اور اسی خصوصیت کو انہوں نے اپنے بچوں میں بھی منتقل کیا۔ والد صاحب چونکہ الیکٹریکل انجینئر تھے اور ایماندار انجینئر تھے اسلئے غلط کام نہ کرنے کی پاداش میں ہر کچھ دن بعد ٹرانسفر کر دیئے جاتے تھے۔ اسی لئے صفوان شاہ نے اپنے شروع کے بارہ سالوں میں کم از کم سات اسکولوں میں داخلہ لیا۔

NED سے امریکہ آئے تو یونیورسٹی آف کولوریڈو، Boulder سے الیکٹریکل اور کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کیا اور پھر ائیرواسپیس انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی اور اس کے بعد ناسا میں شمولیت اختیار کی۔

صفوان شاہ کو reading کا شوق اپنی ماں کی طرف سے ملا ہے، یہ کتابوں کو means of escape سمجھتے ہیں اور اچھی کتاب کا مطالعہ ان کی hobby ہے۔

ایف ایس سی امتیازی نمبروں سے پاس کر کے NED آ گئے اور یہاں الیکٹریکل انجینئرنگ میں بی ای کیا۔اسی دوران ہر ذہین انسان کی طرح اپنی ہی Batch mate کی محبت میں گرفتار ہوئے،شادی کی ،امریکہ آ گئے ۔پھر حالات نے ایک ایسی کروٹ لی کہ درمیان میں فاصلے پیدا کر دیئے۔ جب فاصلے شہروں کے ہوں تو فاصلے ذہنوں میں بھی ہو ہی جاتے ہیں۔اور مصروفیت اس پر سونے پر سہاگہ۔بالآخر بقول فیض احمد فیضؔ کے صفوان

ہم جیتے جی مصروف رہے، کچھ عشق کیا کچھ کام کیا
پھر آخر تنگ آ کر ہم نے، دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا

یہی کچھ صفوان شاہ کے ساتھ بھی ہوا۔زندگی کبھی نہیں رکتی، وہ آگے کی جانب چلتی رہتی ہے۔نئے ساتھی بناتی ہے،نئی محبت زندگی کی شاہراہوں پر ہاتھ پکڑے اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہتی ہے۔

اب یہ امریکہ میں اپنے خاندان کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔بیگم بھی کمپیوٹر سائنس گریجیویٹ ہیں۔گویا ان کے ماں باپ کا تعلیم یافتہ خون، جو ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے، وہ اب ان کے بچوں کی رگوں میں بھی منتقل ہو چکا ہے۔

صفوان شاہ کی زندگی کا سفر، جس کی ابتداء بندر روڈ پر واقع سیونتھ ڈے اسپتال سے ہوئی تھی، وہ سفر ایک بہتے پانی اور جھرنے کی طرح مختلف پہاڑیوں، پگڈنڈیوں اور شاہراہوں، کھیتوں اور کھلیانوں سے ہوتا ہوا کبھی سکھر، کبھی کوئٹہ، کبھی کراچی تک جاری رہا اور بالآخر امریکہ آ کر رک گیا۔امریکہ نے صفوان شاہ کو ایک نئی پہچان دی ایک سافٹ ویئر ہاؤس کا بے تاج بادشاہ بنایا۔

NED کے Functions میں صفوان شاہ جس فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں، ایسا کم ہی لوگ کرتے ہیں۔اس قدر بڑے آدمی ہونے کے باوجود مزاج میں جو ٹھیراؤ ہے، وہ یہ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اگر down to earth کا کوئی شخصی ترجمہ کیا جائے تو وہ صفوان شاہ کہلائے گا۔

صفوان شاہ کی شخصیت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انتہائی بے خوف انسان ہیں۔ نئے تجربے اور نئی innovation سے اس لئے نہیں گھبراتے کہ کامیاب ہوں گے یا نہیں۔وہ اس مضبوط قوت ارادی سے جہاں بھی ہاتھ لگاتے ہیں، مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔ہر بڑے آدمی کی طرح جو تقسیم کرتا ہے، بخیل نہیں ہوتا۔یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی خواہش ہے کہ آنے والی نسل بے خطر کسی خوف کے بغیر اپنی زندگی کے قدم اٹھائے۔

NED کے زمانے میں پی ایس ایف کے صدر بھی رہے اور جو ''مرد مومن، مرد حق'' کے زمانے

کی NED کی آخری اسٹوڈینٹس یونین تھی، وہ ان کے پی ایس ایف کے صدر ہونے کے زمانے کی ہے۔اور ان کی کوششوں کے بغیر اس کی کامیابی ممکن نہیں تھی۔

کہتے ہیں کہ لوگ اپنے ہوم گراونڈ کے شیر اور بادشاہ ہوتے ہیں، لیکن صفوان شاہ نے ثابت کیا کہ وہ ایک اجنبی ملک امریکہ میں بھی بادشاہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ناکارہ لوگوں کے سروں پر کبھی تاج نہیں رکھا جاتا اور کانپنے والے قدم کبھی تخت پر نہیں بٹھائے جاتے۔ بلاشبہ صفوان شاہ NED کا شاہ اور سلیکون ویلی کا **man without fear** اور **man of change** ہے۔

☆☆☆

Safwan Shah

مکمّل عادل

فرحت عادل

سول انجینئرنگ۔1980

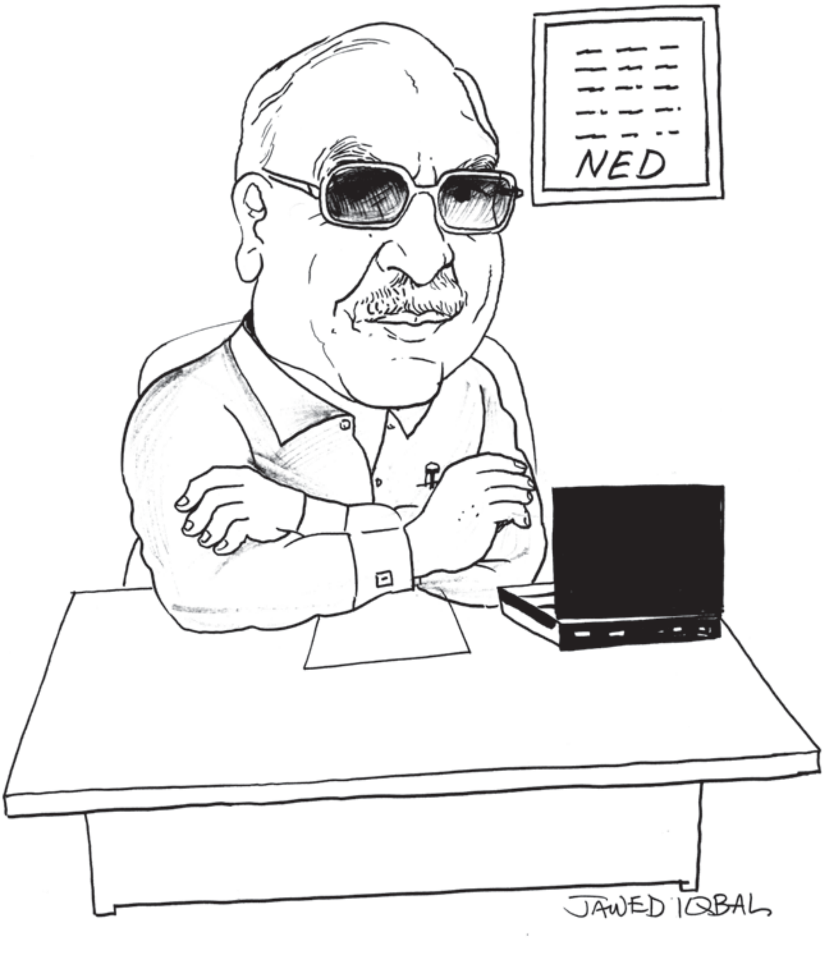

مکمّل عادل

فرحت عادل

20 جنوری سے 18 فروری کے وقفے میں پیدا ہونے والے بچے زائچے یا برج کی چال کے اعتبار سے دلو یعنی Aquarius کہلاتے ہیں۔ اس برج کے زیر اثر پیدا ہونے والے بچوں کی چند خصوصیات میں سماجی انصاف، کچھ کرنے کی لگن اور اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنا شامل ہے۔

ایکوریس کے حامل افراد جہاں بھی جائیں، اپنا مقام اور نام بنالیتے ہیں۔

اسی لئے چاہے وہ ابراہام لنکن ہوں، مائیکل جارڈن، رونالڈو ہوں یا اوپرا ونفرے سب کے سب ایکوریس ہیں۔

ہم جس ایکوریس کا اس وقت تذکرہ کررہے ہیں،

اس میں ابراہام لنکن کی قائدانہ صلاحیت،

مائیکل جارڈن کی مستقل مزاجی،

رونالڈو کی پھرتی

اور ونفرے کی سماجی سوچ شامل ہے۔

یہ سب چیزیں، جس شخصیت کو جنم دیتی ہیں انہیں ہم فرحت عادل کہتے ہیں۔

فرحت عادل 6 فروری سن 1956 کو نسیم عادل اور شمیم بانو کے ہاں پیدا ہونے والی تیسری اولاد ہیں۔ ان سے پہلے ان کے والدین کے آنگن میں وسیم عادل، سلیم عادل آچکے تھے اور فرحت کے بعد ایک اور عادل نے جنم لیا، جنہیں سلمان عادل کہتے ہیں۔ گویا اس گھر میں فرحت کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں ہر

طرف عدل وانصاف کا چرچا رہا کیونکہ یہ سب ہی عادل تھے۔

بریلی، یوپی انڈیا سے آئے ہوئے نسیم عادل صاحب ریلوے کے ایک بڑے افسر تھے،اور اسی لئے شہر شہر ٹرانسفر ہوتے تھے۔ جب ان کی پوسٹنگ لاہور میں تھی تو فرحت نے جنم لیا۔ لاہور کے لئے کہتے ہیں کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا، وہ جنیا ای نئیں (یعنی پیدا ہی نہیں ہوا)۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو،لیکن لاہور کے لئے ایک بات طے ہے کہ لاہوری کھلے دل اور کھلی بانہوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ شاید فرحت عادل کی سرشت میں لوگوں سے گھل مل جانا اوران کے کام آنا شامل ہے۔

فرحت نے گورنمنٹ اسکول صدر سے میٹرک پاس کیا اور پھر 1974 میں نیشنل کالج ، جہاں ان کے چچا پروفیسر حسن عادل صاحب پرنسپل تھے،انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ گویا والدین نے چڑیا کے پر نکلنے سے پہلے ہی ان کو کاٹنے کا انتظام کردیا۔ کیونکہ حسن عادل صاحب کی بحیثیت پرنسپل نہ صرف پورے کالج بلکہ پورے شہر کے طلبہ کے دلوں پر رعب تھا، یہ تو پھر بھی بھتیجے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے مجبوراً صرف پڑھائی پر توجہ دی اور آخر انٹرمیڈیٹ امتیازی نمبروں سے پاس کرکے این ای ڈی آ گئے۔

فرحت عادل بھی ان خوش قسمت NEDIAN میں سے ہیں، جنہوں نے دونوں کیمپس دیکھے ہیں اور پڑھا ہے۔ چونکہ جس نے اولڈ کیمپس نہ دیکھا ہو، برنس روڈ کے کباب نہ کھائے ہوں، لائٹ ہاؤس کے بس اسٹاپ پر اتر کر پاکستان چوک ہوتے ہوئے اولڈ کیمپس نہ پہنچا ہو تو اسی لئے میں NED اولڈ کیمپس کے NEDIANS کو فتح مکہ سے پہلے کے مسلمان کہتا ہوں۔ ان کے NED کے زمانے میں ملک کے حالات خراب ہو چکے تھے۔ بھٹو صاحب کے مقابلے میں حزب اختلاف اپنے جوبن پر تھی اور شہر شہر گلی گلی ہنگامے ہو رہے تھے۔ اسی لئے اُس زمانے میں سب نے چار سال کی تعلیم چھ سال میں مکمل کی۔

NED کو اولڈ کیمپس سے نیو کیمپس میں آتے دیکھا اور نیو کیمپس میں ایک نئے فرحت عادل نے جنم لیا۔ اس وقت NED آنے والے ہر طالبعلم کو پی ایس ایف کے سردار حنیف گود لے لیتے تھے۔ یہ بھی دیگر طلبہ کی طرح پی ایس ایف کے لئے ایڈوپٹ (adopt) کرلئے گئے۔ پہلے ورکر، پھر سینئر وائس چیئرمین ، پھر پی ایس ایف کے چیئرمین بنے اور بالآخر این ای ڈی اسٹوڈینٹس یونین کے صدر۔ ان کے ساتھ جنرل سیکرٹری محمد حسین تھے اور یوں انہوں نے NED کی ترقی میں اپنا بھرپور حصہ ڈالا۔

فرحت عادل نے پاکستان میں رہتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ اگر انسان میں کچھ کرنے کی لگن ہو تو اسے پاکستان سے باہر جانے اور وہاں بیٹھ کر پاکستان سے محبت کا دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مزا تو یہی ہے

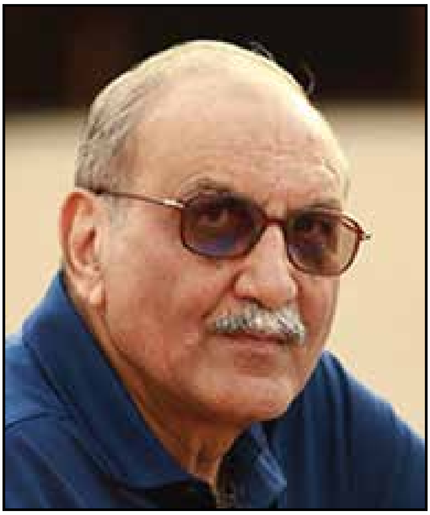

Farhat Adil

کہ اسی زمین پر رہا جائے، اسی کی خوشبو سے محبت کی جائے اور سماجی اور پیشہ ورانہ طور پر کسی مقام پر پہنچا جائے۔ جس کے انسان خواب دیکھتا ہے۔ یہ Nespak میں ٹرینی انجینئر بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے کرتے نیس پاک سدرن ریجن کے نائب صدر ہو گئے، چار سال تک نیس پاک کے بورڈ آف منجمنٹ کے ممبر رہے جو کہ ایک خواب کی تکمیل سے کم نہیں۔ 2014 میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لی اور جب سے اب تک ایک پرائیوٹ کمپنی میں ڈائریکٹر پروجیکٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ آدمی انسان ہی نہیں بنتا، جب تک کہ اس کی شادی نہ ہو جائے۔ تو ان کے والدین نے بھی انہیں انسان بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ دسمبر 1984 میں سیما کے حوالے کر دیئے گئے۔ ان کی سیما سے شادی کیا ہوئی کہ ان کی تو سیما ہی بدل گئی۔ سیما نے نہ صرف ان کا بہت خیال رکھا، بلکہ ان کے شانہ بشانہ کھڑی رہیں اور یہ خود کہتے ہیں کہ سیما کی سنگت کے بغیر زندگی میں اتنی کامیابیاں حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

اب ان کے ماشاءاللہ تین بچے، ایک پوتا اور ایک نواسی ہے اور ان کے گھر کی تربیت کا کمال یہ ہے کہ بیٹا فرخ ہو، یا بیٹیاں ملیحہ یا مہرین۔ اپنے والد کے دوستوں کو انکل نہیں، بلکہ چچا کہتی ہیں۔ آج کے دور میں نہ تو ایسی اولادیں ملتی ہیں اور نہ ایسے ماں باپ۔ جو احساس کمتری کی ماری اردو زبان کو فخر کا ذریعہ بنالیں۔

سیاست کے کارزار میں NED کے علاوہ پانچ مرتبہ پاکستان انجینئرنگ کونسل کے مختلف عہدے، نائب صدر انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرز، این ای ڈی کی سینڈیکیٹ کے ممبر اور این ای ڈی المنائی پاکستان کے بانی ممبرز میں شامل ہیں۔

فرحت اور سیما نے زندگی کا جو سفر 1984 میں شروع کیا تھا، وہ اپنے خوابوں کی تکمیل کی طرف شاندار طریقے سے گامزن ہیں۔ آج بھی یہ ایک مکمل خاندان کی حیثیت سے اسی پاکستان اور اسی کراچی میں رہتے ہیں۔ جہاں بیرون ملک سے جانے والے محبّ وطن پاکستانیوں کو ڈر لگتا ہے۔ فرحت کی کہانی صرف ایک کہانی نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے، جو پاکستان سے محبت، کراچی سے محبت، این ای ڈی سے محبت اور سیما سے محبت کی مثال ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو اور یہ سیما کا ہاتھ پکڑے اسی طرح سے آگے بڑھتے چلے جائیں۔

☆☆☆

ہمارا چیمپئن

فردوس شمیم نقوی

سول انجینئرنگ۔1979

ہمارا چیمپئن

فردوس شمیم نقوی

یہ کہانی ہے، امروہہ اور پٹیالے کے ملاپ کی
یہ کہانی ہے امروہہ کی ذہانت اور پٹیالہ کی بہادری کی
اور یہ کہانی ہے، ایک بوری نشین عالم کے خانوادے کی
جو مفسر قرآن بھی ہے اور نہایت فرمانبردار اور ذہین اولادوں کا باپ بھی
اور یہ کہانی ہے، اس شخص کی جس کی رگوں میں عالم دین کا خون
شمیم نقوی کی ذہانت
میمونہ بیگم کا تدبر
اور اپنی شریک حیات عندلیب
عرف ملکہ کا اخلاص شامل ہے۔

یہ عجیب کہانی ہے کہ ان خصوصیات اور کمالات میں سے کسی ایک کو بھی نکال دیا جائے تو تصویر نامکمل ہے۔ اور اس تصویر کو ہم اور آپ فردوس شمیم نقوی کے نام سے جانتے ہیں۔

10 مئی **1956** کو شمیم نقوی اور میمونہ شمیم نقوی کے ہاں فیصل آباد میں دوسری اولاد پیدا ہوتی ہے، اولادِ نرینہ اور اس کا نام فردوس رکھا جاتا ہے۔ شمیم نقوی صاحب کا تعلق امروہہ اور میمونہ شمیم نقوی کا تعلق پٹیالہ سے ہے۔ جیسا کہ میں نے ابتداء میں کہا تھا کہ یہی نہیں، بلکہ ان کے دادا ایک عظیم عالم دین اور مفسر قرآن علامہ ظفر نقوی امروہوی تھے۔ گویا ان کی رگوں میں علامہ ظفر نقوی کی فہم وفراست، شمیم نقوی کی ذہانت اور میمونہ نقوی کی شجاعت دوڑ رہی تھی۔

فردوس نے ابتدائی تعلیم ڈھاکہ سے حاصل کی لیکن جب والدین مغربی پاکستان آگئے تو پہلے لاہور کے فیڈرل اسکول، پھر کراچی کے حبیب پبلک اسکول میں داخل ہوگئے اور میٹرک وہیں سے کیا۔ امروہہ کے خون کا ایک کمال یہ ہے کہ یہ لوگ نہایت ذہین ہوتے ہیں اور اپنے اپنے شعبے میں نام پیدا کرتے ہیں۔ مصور صادقین ہوں یا اقبال مہدی، شاعر اور دانشور رئیس امروہوی ہوں یا جون ایلیا یا کمال امروہوی ہوں یا فردوس شمیم۔۔۔

جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

فردوس نے حبیب پبلک اسکول میں debating کے علاوہ تیراکی میں بھی سندھ کی نمائندگی کی اور جوڈو کراٹے کے بھی چمپئن رہے۔ ان کی جوڈو کراٹے کی بات پر اسلئے بھی یقین آجاتا ہے کہ اپنی جوڈو کی مہارت زبان کے ذریعہ اکثر اسمبلی میں بھی دکھاتے رہتے ہیں اور ان کے کئی قریبی دوست تو اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ فردوس ان بہترین مقررین میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے تعلیمی اداروں کے لئے سو سے زیادہ ٹرافی اور انعامات حاصل کئے اور قومی چمپئن بنے۔

میٹرک کے بعد ہر ذہین طالبعلم کی طرح ڈی جے سائنس کالج اور پھر وہاں سے 1973 میں NED آگئے۔ ہر ذہین طالبعلم کی طرح NED میں ایک نئے فردوس شمیم نے جنم لیا، ایک سیاسی فردوس شمیم نے۔ ہر وقت طلبہ سیاست میں متحرک، سیاسی حریفوں کے لئے سخت جان حریف اور انگریزی مباحثوں کی شان ۔۔۔ سیما انصاری، آصف رضوی اور تنویر عالم کے ساتھ جہاں جاتے انعام یا ٹرافی لے آتے۔ گویا NED کے منظر نامے پر مستقبل کے قومی سطح کے سیاستدان کی پرورش ہونے لگی۔ این ای ڈی کی اسٹوڈینٹس یونین کا پی ایس ایف کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا، پہلے آرٹس سیکرٹری اور پھر جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

فردوس کا برج ثور (Taurus) ہے، جن کی خصوصیات میں تحمل مزاجی، عملیت پسندی، اخلاص اور دیانتداری شامل ہے وہیں منفی اثرات میں ضرورت سے زیادہ ہٹ دھرمی اور غیر مفاہمانہ رویہ ہے۔ اور برج ثور کی ان کمزوریوں کی وجہ سے اکثر نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔ ثور کے لوگ کھانے پکانے میں بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ اگر ان تمام خصوصیات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو برج ثور کو فردوس شمیم کا نام دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

فردوس شمیم منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے جس وقت ہمارے جیسے دوستوں کے پاس سائیکل بھی نہیں ہوتی تھی، اس وقت بھی وہ پی ای سی ایچ ایس کے دو ہزار گز کے کشادہ گھر اور گاڑیوں کے

جھرمٹ میں رہتے تھے۔ لیکن چونکہ رگوں میں بوریانشین علامہ ظفر نقوی، شمیم نقوی اور میمونہ نقوی کا خون تھا تو کبھی اسے خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ بچپن سے لے کر آج تک فطرتاً بوریانشین ہی رہے۔

طلبہ سیاست میں آئے تو طلبہ کی آواز بن گئے، ملکی سیاست میں آئے تو 1996 میں ایسی پارٹی جوائن کی جس کا عملی سیاست میں کوئی قابل ذکر وجود نہیں تھا۔ سندھ اسمبلی کے رکن بنے تو قائد حزب اختلاف کے عہدے تک پہنچے۔ اور ان کی آواز بنے رہے، جن کی سننے والا کوئی نہیں۔

فردوس شمیم نے ایک بڑے گھر میں پیدا ہونے کے باوجود یہ ثابت کیا کہ زندہ رہنے کے لئے شاید مال و دولت کی اہمیت ہو، لیکن انسانوں کے دلوں میں زندہ رہنے اور ان کی آواز بننے کے لئے غریبوں کے دل کے قریب رہنا زیادہ ضروری ہے۔

''کہتے ہیں کہ جہالت گہری نیند کی طرح ہوتی ہے، جگانے والے پر غصہ کرتی ہے''

فردوس نے جب پاکستان تحریک انصاف کے پلیٹ فارم سے سندھ اور کراچی کے شہریوں کو جہالت کی نیند سے اٹھانے کی کوشش کی تو ظاہر ہے کہ جہالت کو غصہ تو آنا ہی تھا۔ لیکن یہ بھی فردوس شمیم ہی کا کمال ہے کہ تن تنہا ایک ایسی پارٹی کا صفایا کر دیا جس کے خلاف بات کرنے سے بڑے بڑوں کے پر جلتے تھے، اسمبلی میں بھی لوگوں کو گہری نیند سے جگایا اور ان کی ناراضگی مول لی، چونکہ ثور تھے، لہٰذا ڈٹے رہے۔

اپنے تعلیمی کیرئیر میں یونیورسٹی آف مشی گن سے ڈبل ماسٹرز کیا۔ امریکہ، کینیڈا، متحدہ عرب امارات اور پاکستان میں مختلف ملازمتیں اور کاروبار کئے اور کامیابی کی نئی منزلیں طے کیں۔

1984 میں والد کی وفات کے بعد مولانا ظفر حسن کی پوتی اور اپنی کزن ڈاکٹر عندلیب عرف ملکہ سے شادی کر لی۔ ڈاکٹر عندلیب عرف ملکہ فردوس کی ملکہ تو ہیں ہی، لیکن گھر اور دوستوں کی بھی ملکہ ہی کہلاتی ہیں۔ فردوس کا یہ فیصلہ شاید ان کا یہ سب سے اچھا فیصلہ تھا کیونکہ ایک سخت مزاج ٹورس کو وہی برداشت کر سکتا ہے جس کی رگوں میں ایک ہی دادا کا خون دوڑ رہا ہو۔ اس کا اسٹار میزان (Libra) ہو اور جو بیک وقت ڈاکٹر بھی ہو اور ایک اچھے Libra کی طرح Taurus کو اپنی جگہ پر رکھے۔

میں نے کہا تھا نہ کہ فردوس منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے لیکن اللہ نے ملکہ اور فردوس کو ایک ایسے امتحان میں ڈالا، جس میں بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا جائیں، اللہ تعالیٰ نے پانچ اولادیں دیں، ایک بیٹا اور چار بیٹیاں۔ لیکن دو بیٹیوں کی بینائی کسی موروثی بیماری کی وجہ سے بچپن ہی میں چلی گئی۔ لیکن یہ اس گھرانے کا کمال ہے کہ اس نے اس آزمائش کو نہ صرف اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کیا بلکہ اگر آپ ان کے گھر

جائیں تو مسکراہٹوں، قہقہوں اور خاطر مدارات اور دوسروں سے محبت کی ایک ایسی مثال دیکھنے کو ملے گی، جس کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بھی کمال اس بوریا نشین کی تعلیم کا ہے، جو ملکہ اور فردوس دونوں کے دادا اور مفسر قرآن تھے۔ ان سے زیادہ کس کو پتہ ہوگا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور وہ اس فرمان پر عمل کر کے دوسروں کے لئے ایک مثال بن گئے۔

فردوس NED کی سیاست میں آئے، نام پیدا کیا۔ کاروبار میں آئے، نام پیدا کیا۔ عملی سیاست میں آئے تو ملکی سطح کے لیڈر بنے۔ اسمبلی میں آئے تو قائد حزب اختلاف بنے۔ اسمبلی میں تقریریں کیں تو ریکارڈ قائم کیا۔ گھر اور دوستوں کے محاذ پر ہمیشہ موجود رہے۔

جب تک فردوس شمیم جیسے لوگ NED سے فارغ التحصیل ہوتے رہیں گے، یہ آنے والے وقتوں کے لئے نہ صرف یہ کہ ایک مثال ہوں گے، بلکہ ہمت، صبر، محبت، اخلاص اور ایک عام آدمی کے لئے اٹھنے والی آواز کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ فردوس شمیم بلاشبہ NED کے ایک ہیوی ویٹ چمپئن ہیں اور سب کے دلوں کے قریب بھی۔

☆☆☆

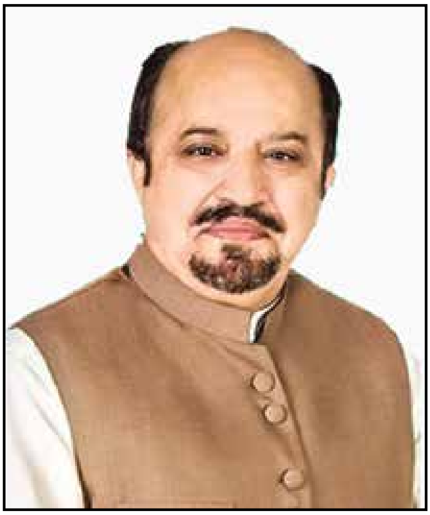

Firdous Shahmim Naqvi

باکمال مہدی

کمال مہدی

سول انجینئرنگ۔1982

باکمال مہدی

کمال مہدی

کسی بھی ایسے انسان پر کچھ لکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے، جس کے یا تو چاہنے والے بہت زیادہ ہوں یا وہ سیاست کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا کہیں پہنچا ہو۔ NED نے جہاں ہر سال ہزاروں انجینئرز پاکستان اور دنیا کو عطاء کئے، جو کہ اپنے فن کے ماہر تو ہیں ہی لیکن ایسے بہت سے نگینے بھی تراش دیئے، جنہوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ سیاست اور سیاست کے ساتھ ساتھیوں کی خدمت کو بھی اپنا شعار بنالیا ہو۔ میری مراد ایک NEDIAN سے ہے، جس کو میں اور بہت سے دوسرے کمال مہدی نہیں، بلکہ باکمال مہدی کہتے ہیں۔ یہی اس شخصیت کے خاکے کا عنوان بھی ہے۔

سید حسن مہدی کمال کراچی کے ایک مڈل کلاس گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں والد ایک ایماندار سرکاری ملازم اور والدہ ایک وفا شعار ہاؤس وائف تھیں۔ والدین کا تعلق ہندوستان کے عظیم شہر لکھنؤ سے تھا۔ اسی لئے شاید مزاج اور تربیت میں لکھنوی مٹھاس بھی شامل ہے۔

ایک کثیر العیال گھرانے میں آنکھ کھولی، نو (۹) بہن بھائیوں میں پانچویں نمبر پر تھے۔

ابتدائی تعلیم ایک ایسے اسکول سے حاصل کی جسے معروف ڈرامہ نگار حسینہ معین چلاتی تھیں۔ یہ بتانے کی اب کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ اس بچے کی تعلیم ابتدا ہی سے ایسی سرپرستی میں ہوئی جہاں علم ودانش کے جھرنے ایک دریا کی صورت میں بہتے تھے۔ پی ڈیل اسکول ناظم آباد سے میٹرک کیا اور انٹرمیڈیٹ کے لئے شپ اونرز کالج میں داخل ہوئے۔ اب یہاں سے کمال کے ایک باکمال سیاسی ورکر نے انگڑائی لینی شروع کی۔ این ایس

ایف کا حصہ بنے، جو اس وقت بائیں بازو کی سیاست اور پروگریسولڑکوں کا اسٹیٹس سمبل تھا۔

سرخ انقلاب کا خواب، ماؤ کی ریڈ بک، کارل مارکس کی کتابیں، اور روسی سفارتخانے کا فرینڈ شپ ہاؤس ایسے تمام سرخوں کی بیٹھک ہوا کرتا تھا، جہاں نظریہ مساوات کی ترویج کی جاتی تھی اور تمام ترقی پسند طلبہ اس میں اپنا حصہ ڈالتے تھے۔ اسی زمانے میں شپ اونرز کالج میں الیکشن ہوئے اور انہوں نے اس زمانے کے مشہور طالبعلم رہنما عنایت رضوی کو صدارت کے انتخابات میں جتوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس الیکشن کا ایک مشہور نعرہ تھا، جمعیت کی قضا عنایت رضا۔ بدقسمتی سے یہی عنایت رضوی چند سال قبل پی آئی اے کے ایک مظاہرے کے دوران نامعلوم افراد یا نامعلوم سمت سے آنے والی گولی سے قضائے الٰہی کا شکار ہوگئے۔ ان کے NED میں آنے سے پہلے 71 میں ان کے بڑے بھائی میجر جمال بھی NED ہی سے سول انجینئرنگ کر چکے تھے۔

76 میں یہ شپ اونرز کالج میں سلسلہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد NED میں آئے تھے جہاں سے 82 میں سول انجینئرنگ کی ڈگری لی لیکن ماضی کے سیاسی تجربے، این ایس ایف کی قربت اور این ای ڈی میں ترقی پسندوں کے محاذ پی ایس ایف یعنی پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ کا حصہ بنے جہاں ورکر سے شروع ہوکر سینئر وائس چیئرمین تک پہنچے اور اپنے ساتھی طلبہ کی خدمت میں لگے رہے۔ اگر آپ کمال کو دیکھیں یا اس کی تصویر کو۔ تو اس میں ایک ایسی مسکراہٹ شامل ہے، جسے نہایت رومانٹک تبسم کہا جاسکتا ہے۔ حالانکہ ان کے کچھ دوست کہتے ہیں کہ چہرے پر پھیلی یہ بامقصد مسکراہٹ ہی یہ بتا دیتی ہے کہ اسے پتہ ہے کہ سامنے والا کیا کہنے جارہا ہے یعنی میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

پچھلے سولہ سال سے امریکہ کی ریاست ورجینیا میں اپنی بیگم غزالہ، دو بیٹوں مصطفٰے اور مرتضٰی مہدی اور بیٹی مریم مہدی کے ساتھ مقیم ہیں۔ روزگار کے سلسلے میں بڑی بڑی کمپنیوں میں کام کے باوجود ہر وقت NED کے ساتھیوں کی مدد کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ NED المنائی ایسوسی ایشن کے مائی باپ بھی ہیں اور NED الف، جو کہ اینڈاؤمنٹ فنڈ ہے، اس کے فاؤنڈنگ ممبر بھی ہیں۔ گو کہ 95 میں این ای ڈی سے ماسٹرز بھی کیا لیکن اس سے پہلے 88 میں شادی اور 90 میں ایک دوست کے ساتھ ایک بڑی تعمیراتی کمپنی کی بنیاد بھی رکھی۔ اپنا کاروبار بھی کیا اور بولان ماربل کے نام سے ایک ماربل فیکٹری بھی لگائی۔ گو کہ زمانہ طالبعلمی سے ہی سرکار کے خلاف رہے اور اسلام آباد میں موجود ہر حکومت کے خلاف۔ لیکن جب شادی کا وقت آیا تو ایک ایسی خاتون جن کا نام غزالہ تھا، انتخاب کیا۔ جو کہ اسلام آباد ہی کی تھیں اور جن کے والد بھی بیوروکریسی کا

Kamal Mehdi

ایک اہم حصہ تھے۔اور یہاں سے ان کی اسلام آباد سے محبت کا آغاز ہوا۔ جو کہ آج تک جاری ہے۔ان کے کچھ قریبی دوست یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ پاکستان انجینئرنگ کونسل سے دوبار اسی لئے منتخب ہوئے کہ ان کا اسلام آباد آنا جانا جاری رہے۔

کمال مہدی کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اپنے اور اپنی پوری کلاس کے رول نمبر اب تک زبانی یاد ہیں۔

جس طرح تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے اور ایک دائرے میں گھومتی ہے، مجھے لگتا ہے کہ ہجرت بھی نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو دہراتی ہے، بلکہ دائرے میں گھومتی ہے۔ایک وقت تھا کہ کمال کے والدین نے انڈیا سے اپنے بچوں کے محفوظ مستقبل کے لئے پاکستان ہجرت کی تھی اور اب 2001 میں کمال کے لئے وقت آ گیا تھا کہ اپنے بچوں کے محفوظ مستقبل کی تلاش کی جائے اسی غرض سے وہ 2001 میں کینیڈا آئے اور پھر 2005 میں امریکہ چلے گئے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ کوئی شخص اتنا بے لوث کیسے ہوسکتا ہے۔تمام تر مصروفیات کے باوجود ساتھیوں کے لئے صرف ایک کال کے فاصلے پر ہو اور با آواز بلند موجود ہو۔کمال کا یہی کمال ہے، جو اسے کمال سے باکمال مہدی بناتا ہے۔

☆☆☆

مختار زیدی

میکینکل انجینئرنگ۔1980

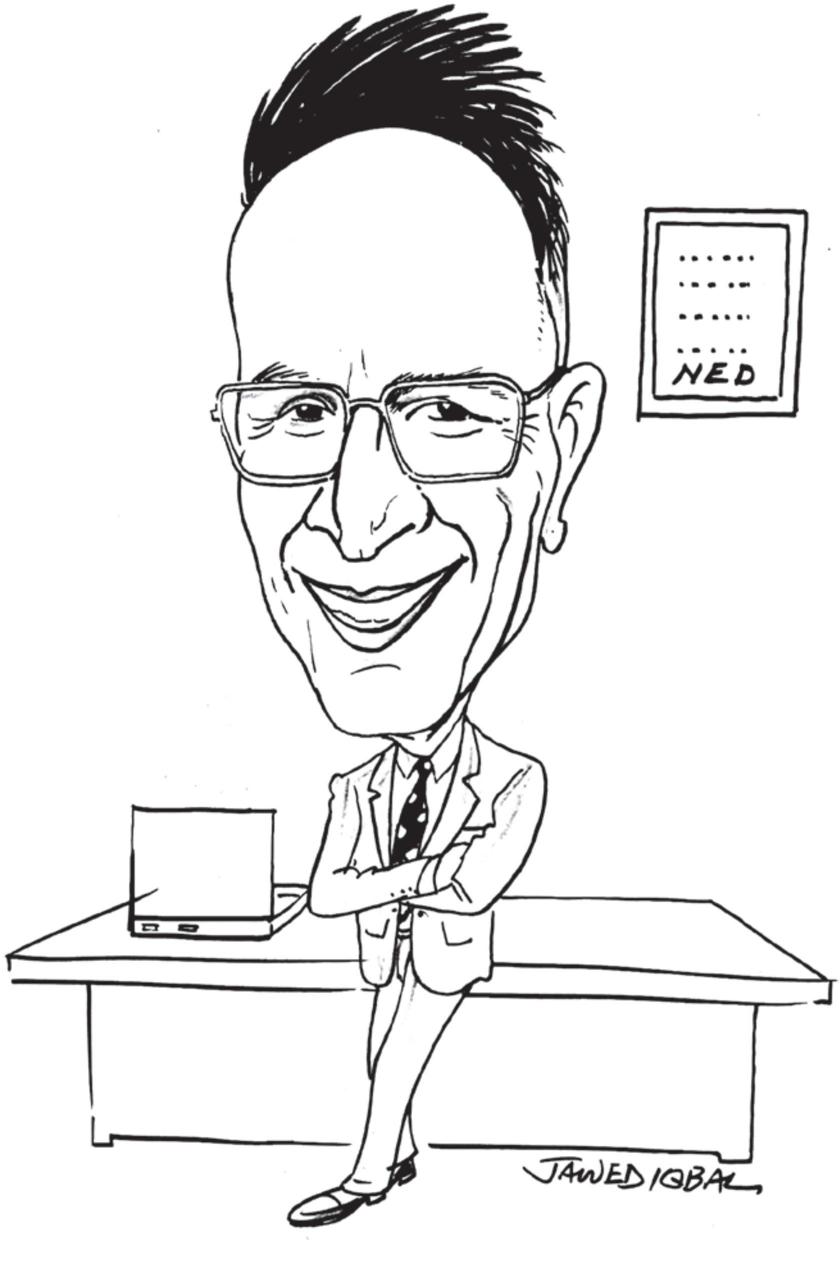

المنائی کی رونق

مختار زیدی

NED کا نیو کیمپس ہے اور ابلاغ یعنی پبلسٹی کے محدود ذرائع۔ نہ سوشل میڈیا ہے، نہ واٹس ایپ، نہ انسٹا گرام ہے، نہ ہی فیس بک۔ ایسے میں اپنا پیغام پہنچائیں تو کیسے؟ پی ایس ایف کے بڑے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور ایک ایسے طالبعلم کو ڈھونڈتے ہیں جس کی تحریر بھی اچھی ہو اور اظہار کا ذریعہ بھی۔ سب کی نگاہیں، ایک طالبعلم پر جم جاتی ہیں۔ اس کا نام ہے، مختار زیدی۔ یہ دیواروں پر پوسٹر اور وال پیپر میگزین کے ذریعہ ابلاغ کا ذریعہ بنتے ہیں اور ہر ایک کی آنکھ کا تارہ بھی۔ چونکہ مشہور شاعر میر ببر علی انیسؔ کے پڑپوتے ہیں۔ لہٰذا اپنے اظہار کی موروثی خوبی کو خوش اسلوبی سے آگے بڑھاتے ہیں۔ یہی مختار زیدی امریکہ آ کر غیر پاکستانیوں میں مائیک زیدی بنتے ہیں۔

مختار زیدی ایک نہایت مذہبی گھرانے میں ستمبر 1955 میں پیدا ہوئے، ان کی ابتدائی تربیت نہایت سخت ماحول میں ہوئی کیونکہ والد صاحب کا تعلق پاکستان ایئر فورس سے تھا۔ ان کے والد نہایت ایماندار اور اصول پرست شخص تھے اور ایک خاص مذہبی رجحان بھی رکھتے تھے۔ مختار نے اپنے والد کو کبھی تہجد پڑھے بغیر آفس جاتے نہیں دیکھا۔ ان کے والد نے انڈیا کے ساتھ پاکستان کی تمام جنگوں میں حصہ لیا یہی نہیں بلکہ دوسری جنگ عظیم میں برٹش رائل ائرفورس کا حصہ بھی رہے لیکن اس کے باوجود ان کے اندر کا ایک شاعر اور ادیب زندہ رہا اور شاعری میں بھی اپنا نام کمایا۔

مختار زیدی کی طبیعت میں اپنے والد کی کچھ خوبیاں موجود ہیں اور کچھ ڈھونڈنے سے شاید مل جائیں۔ مثال کے طور پر ادبی ذوق رکھتے ہیں، لیکن شعر نہیں کہتے، نہایت ڈسپلن ہیں، اپنے سارے کام وقت

پر ختم کر لیتے ہیں لیکن صبح دیر سے اٹھتے ہیں۔ مختار زیدی کی جن باتوں کو والد صاحب کے shadow میں ڈھونڈنا پڑے گا۔ ان میں نماز کی پابندی اور دیگر مذہبی رواداریاں بھی شامل ہیں۔

جن بچوں کے والدین عسکری اداروں میں ہوتے ہیں، یہ شہر شہر، قریہ قریہ تبادلہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس عذاب کو سب سے زیادہ آفیسر کی بیوی اور بچوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ نئے شہر میں دوست بنانا پڑتے ہیں، بچوں کے اسکول تبدیل ہوتے ہیں۔ بچے ایک جگہ آکر دوستوں، اسکولوں اور ماحول سے مکمل طور پر مانوس نہیں ہوتے کہ پھر ایک نئے شہر چلے جاتے ہیں۔ یہی کچھ مختار زیدی کے ساتھ ہوا۔ سارا بچپنہ شاہراہ فیصل، چکلالہ، کوہاٹ اور کامرہ وغیرہ میں گزرا۔ لیکن مختار نے اسے مجبوری نہیں بنایا، بلکہ والدین سے ہی سیکھا کہ نئی جگہ دوست اور اپنی جگہ کیسے بناتے ہیں۔ یہ ٹریننگ آگے چل کر امریکہ میں بھی مختار کے کام آئی۔

جب والد کراچی شفٹ ہوئے تو مختار زیدی انٹرمیڈیٹ میں پہنچ چکے تھے۔ پہلے عائشہ باوانی کالج، پھر ڈی جے سائنس اور آخر میں NED آ گئے۔ NED آکر یہ بھی پی ایس ایف کے سردار حنیف کے ہتھے چڑھ گئے اور پی ایس ایف ہی کے ہو لئے۔ میکینکل انجینئرنگ میں داخل ہوئے اور وہیں سے فارغ التحصیل بھی۔

ویسے بھی مختار زیدی کا تعلق ایسے مذہبی گھرانے سے ہے، جس کی پہچان ہی کلمۂ حق کہنا ہے، خواہ اس میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ NED کی پروگریسو سیاست میں ان کی جان تو کیا جاتی یہ پی ایس ایف کی جان بن گئے۔ اور جدھر جاتے، اپنے ساتھ ہم خیال دوستوں کا ایک مجمع ساتھ رکھتے۔

مختار کہتے ہیں کہ NED میں قیام کے چار پانچ سال ان کی زندگی کا سب سے شاندار دور ہے۔ ایک ایسا دور جس میں پابندی بھی ہے اور آزادی بھی۔ آزادی ہے، اظہار رائے کی۔ آزادی ہے، کلاسز بنک (Bunk) کرنے کی۔ آزادی ہے، گرلز کامن روم کے سامنے سے کئی بار گزرنے کی اور آزادی ہے، کینٹین میں چائے اور سموسے کھانے کے بعد پیسے کل دینے کے وعدے کی۔ لیکن پابندی بھی ہے کہ اساتذہ کا ادب کیا جائے، سینئرز کی عزت کی جائے اور امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ NED ان ہی چیزوں کی آمیزش کا نام ہے۔ NED نے انہیں سکھایا کہ تمام تر شرارتوں کے باوجود اپنے اہداف یعنی گولز کس طرح حاصل کئے جاتے ہیں، جب اسی ٹریننگ کے ساتھ اسٹین فورڈ میں داخل ہوئے تو نئے ملک، نئی زبان اور نئی ثقافت کو اپنانے میں کچھ دیر نہیں لگی۔ کیونکہ بچپن میں والد کے پے در پے تبادلوں سے نئے ماحول میں جگہ بنانا سیکھ چکے تھے اور اب اپنے ٹارگٹ پر نظر رکھنا اور اچھے نمبروں سے پاس ہونا بھی NED سے سیکھا

Mukhtar Zaidi

تھا۔

اسٹین فورڈ کے لئے سان فرانسسکو آئے اور آج تک یہیں ہیں۔ طبیعت میں بغاوت کے تمام تر جراثیم ہونے کے باوجود شادی ماں باپ کی پسند سے نورین نامی خاتون سے کی۔ جوان کے ایک فرمانبردار بیٹا ہونے کی نشانی ہے۔ دو بیٹیوں عائلہ، لائلہ اور بیٹے جرار کے ساتھ سان فرانسسکو میں ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر رہتے ہیں۔ جہاں سے پورے سان فرانسسکو پر نظر بھی رکھتے ہیں۔ بیٹیاں گوگل اور اولو میں کام کرتی ہیں۔ جبکہ جرار بوسٹن یونیورسٹی سے گریجویشن کر رہا ہے۔

مختار زیدی کے اہم کاموں میں سائنس بک کلب، سیمینار سیریز میں آئی اِن سلیکون ویلی، آرٹی فیشل انٹلی جنس میں ڈٹیکٹو وے، شامل ہیں۔ ان کے کچھ پروگرام تو ڈاؤ یونیورسٹی، NED انجینئرنگ یونیورسٹی، حبیب یونیورسٹی اور ڈی ایچ اے صفہ یونیورسٹی میں پاکستان میں بھی فنڈنگ کے منتظر ہیں۔

مختار زیدی این ای ڈی میں وال میگزین کی جان تھے، مختار پی ایس ایف کی جان تھے۔ مائیک زیدی NED المنائی کے ہر فنکشن کی جان ہیں۔ ڈانس کی مہارت اور انگریزی ٹھمکے دیکھ کر بھی یہی دل چاہتا ہے کہ انہیں مختار زیدی نہیں بلکہ مائیک زیدی کہا جائے۔ مختار زیدی معاملہ فہم ہیں، ہر مسئلے کا حل رکھتے ہیں ہر وقت مسکراتے رہتے ہیں۔ اور لوگوں کو خوش رکھتے ہیں اور امریکہ ہی میں سان فرانسسکو میں مقیم ہیں جو ان کی مستقل مزاجی کی دلیل ہے۔

مختار زیدی نہ صرف میرا بلکہ ہر اس شخص کا دوست ہے جو کہ NED سے محبت کرتا ہے اور NED کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔ مختار اقبالؔ کا شاہین ہے، جس کے لئے علامہ اقبالؔ نے خود کہا تھا کہ ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اور اس ریشم اور فولاد کے combination کو NEDIANs مائیک زیدی یا مختار زیدی کہتے ہیں۔

☆☆☆

نازلی خان

سول انجینئرنگ۔1990

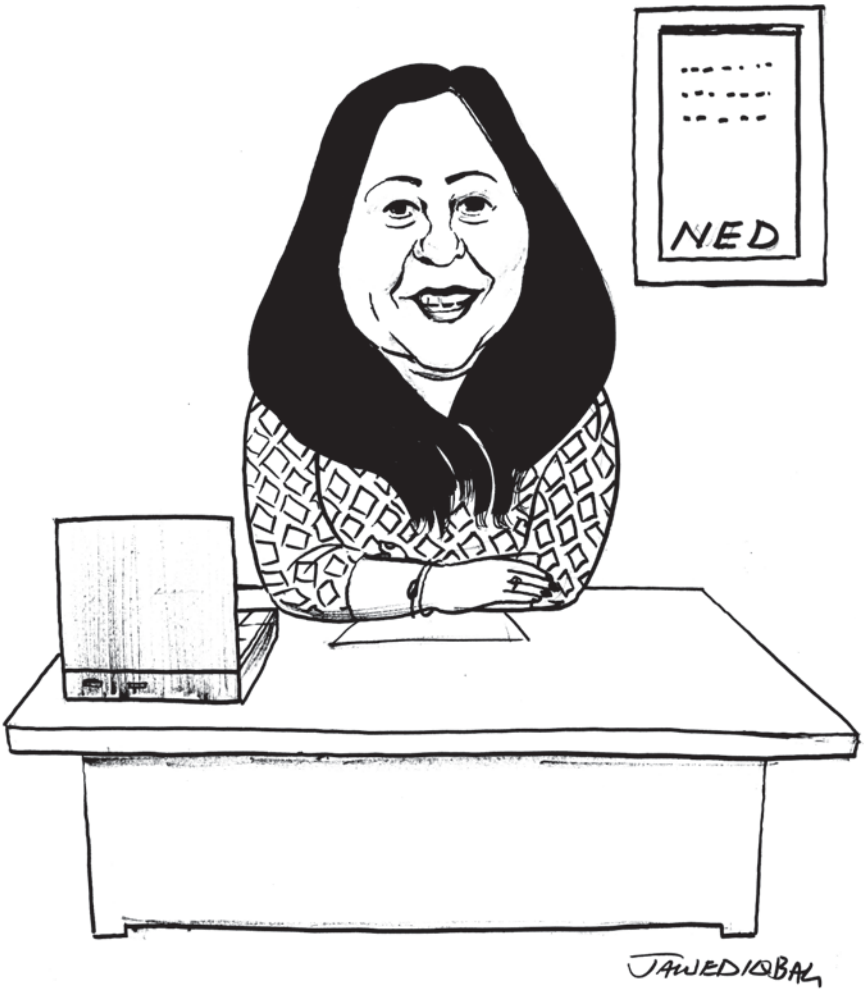

ماواں ٹھنڈیاں چھاواں

نازلی خان

NED نے جہاں بے شمار ایسے طالبعلم پیدا کئے، جنہوں نے اپنے ادارے کا نام روشن کیا، وہیں کچھ خواتین بھی ہیں۔ جو شاید آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ ہوں، لیکن انہوں نے تعلیمی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی میدان میں اپنے جھنڈے گاڑے۔ پہلی خاتون انجینئر آصفیہ علیم سے سفر شروع ہوا، سینیٹر رخسانہ زبیری، بلوچستان کی پہلی خاتون انجینئر صوفیہ جمالی، پوزیشن ہولڈر سیما انصاری، ایک مرحومہ پائلٹ، عالمی بینک کی نمائندہ رزینہ بلگرامی، حبیب بینک کی نیلوفر حمید اور ڈرامہ نگار فرحت اشتیاق جیسی خواتین قابل ذکر ہیں۔

پرانے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ خواتین کو انجینئر نہیں بننا چاہئے کیونکہ یہ کام محنت طلب ہے اور عورت اتنا کام نہیں کر سکتی لیکن دنیا کی ترقی نے یہ ثابت کر دیا کہ خواتین انجینئرنگ کے شعبے میں نہ صرف مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں بلکہ اکثر ان سے آگے بھی نکل گئی ہیں۔ میری مراد 1990 میں فارغ التحصیل ہونے والی سول انجینئر نازلی خان سے ہے۔

جو لوگ کراچی سے واقف ہیں، وہ یقیناً نیشنل کالج کو بھی جانتے ہوں گے۔ جہاں کسی زمانے میں مخلوط تعلیم تھی۔ پھر حکومتی تحویل میں آنے کے بعد صرف لڑکوں کے لئے مختص ہوگیا۔ اسی زمانے میں کالج میں پڑھنے والے مکرم اور ساجدہ نے فیصلہ کیا کہ ایک دوسرے کو جیون ساتھی بنایا جائے اور یوں وہ دونوں ایک ہو گئے۔ یہ مکرم نامی لڑکا آگے چل کر کراچی کا فخر، نیشنل کالج کی شان، ادبی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا سرپرست اور نیشنل کالج کا پرنسپل بنا اور پروفیسر مکرم علی خان کہلایا۔ دوسری طرف ساجدہ زہرا نے گھر کا مورچہ سنبھالا۔ اور دونوں اپنی اگلی نسل کی آبیاری میں لگ گئے۔

اسی جوڑے کے ہاں 17 ستمبر 1967 کو دوسری اولاد کی پیدائش ہوئی، جو اس خاندان کی پہلی بیٹی تھی، اس کا نام نازلی رکھا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ والدین کا خون اپنی اولاد کی رگوں میں صرف خون ہی نہیں، بلکہ ماں باپ کی روح بن کر دوڑتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ مکرم علی خان، جو ہاکی بورڈ، یونی کیریئیز، آرٹس کونسل، کالجز، کراچی کے اخبارات، ٹی وی۔۔۔سب جگہ اپنے جوہر دکھائیں، اپنی محنت سے نام پیدا کریں اور یہ خون ان کی اولاد میں روح بن کر نہ دوڑے۔ یہی وجہ ہے کہ نازلی نے بچپن میں جو دیکھا، اسے اپنی گرہ میں باندھ لیا۔

سن 1982 میں دہلی اسکول، کریم آباد سے میٹرک، سن 84 میں سرسید کالج سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا اور پھر اپنے خواب کی تکمیل کے لئے NED آ گئیں۔ یہاں سے انہوں نے 1997 میں اسٹرکچر انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا۔ نازلی کہتی ہیں کہ مجھے انجینئر بنانا میرے باپ کی خواہش اور میرا اپنا خواب تھا، جو میں نے چیلنج بن کر قبول کیا۔

کہتے ہیں کہ اللہ انسان پر مصیبت بھی انسان کے ظرف کو دیکھ کر ڈالتا ہے۔ ان کی انجینئرنگ اور ماسٹرز کے درمیان ہی پروفیسر مکرم اچانک مختصر علالت کے بعد اس دنیا سے چلے گئے اور اپنی رفیق حیات ساجدہ زہرا جن کے ساتھ زندگی گزارنے کا وعدہ کیا تھا، ان کو اکیلا چھوڑ گئے۔

یہ صدمہ نازلی کے لئے اتنا اچانک تھا کہ لگتا تھا کہ گویا دنیا ختم ہوگئی کیونکہ پروفیسر مکرم جیسے باپ کے بغیر جینے کا تصور ناممکن تھا۔ لیکن ایسے وقت میں بڑے بھائی نے باپ کی جگہ سنبھالی اور اپنی ماں اور بہن بھائیوں کی زندگیوں سے مشکلات کو کم کرنا شروع کیا۔

سن 1994 میں نازلی کی ایک نہایت مہذب اور مذہبی گھرانے کے فرد سید قرۃ العین سے رشتہ طے ہوا یہ ایک نئے گھر منتقل ہوگئیں اور شادی کے تین سال بعد سن 1997 میں کینیڈا آ گئیں۔ تین بچوں کی ماں ہیں، مشکوۃ بیٹی، ہجویر بیٹا اور سب سے چھوٹے بیٹے جاذیب کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزارنے لگیں۔

لیکن زندگی کو ان سے مزید امتحانات لینے تھے، رمضان کے دن تھے، جولائی کا مہینہ اور سن 2013، ان کے شوہر قرۃ العین اچانک وفات پا گئے اور نازلی کی زندگی میں ایک بار پھر زلزلہ آ گیا۔ میں نے کہا تھا ناں کہ اللہ انسان پر اس کے ظرف کے مطابق اس پر مشکل ڈالتا ہے، وہ اپنی ماں کو ادھیڑ عمری میں بیوہ ہوتے دیکھ چکی تھیں۔ اولاد کے درد کو ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ انہیں پھر محسوس ہوا کہ دنیا ختم ہوگئی۔ لیکن دنیا ختم ہونے کے باوجود ماں کی دنیا بچے ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کے لئے جیتی ہے۔ یہ تاثیر ان کے اندر

Nazli Khan

اپنی ماں سے آئی تھی۔انہوں نے سوچا کہ اب وہ اپنی ماں کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گی۔اورانہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حالات کا عورتانہ وار مقابلہ کریں گی۔

اللہ نے وہ وقت بھی گزار دیا اور آج 2021 ہے،ان کے دو بڑے بچے گریجویشن کر چکے ہیں۔چھوٹا بیٹا گریڈ ایٹ میں ہے ان کی والدہ ان کے ساتھ رہتی ہیں۔اور نازلی کی قوت بنی رہتی ہیں۔

نازلی نے NED کے سابق طلبہ کی دنیا میں کسی بھی موجودہ المنائی میں یہ ریکارڈ قائم کیا ہے کہ بے شمار المنائی ایسوسی ایشن کی موجودگی میں یہ پہلی اور واحد خاتون انجینئر ہیں،جو المنائی کے انتخابات میں نی ڈ یک کینیڈا کی صدر منتخب ہوئی ہیں۔اور اس تنظیم کو نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہی ہیں۔

نازلی نے مختلف جگہ ملازمت کی ،اب ٹورنٹو کی ایک بہت بڑی کنسلٹنٹ کمپنی میں پروجیکٹ منیجر ہیں۔ٹورنٹو اسکائی لائن کی اکثر بلند و بالا عمارتیں انہوں نے ڈیزائن کی ہیں اور ان عمارتوں کی بنیادوں میں کہیں نہ کہیں نازلی کا بلند حوصلہ، حالات سے لڑنے کی صلاحیت، مشکلات میں مسکرانا، اپنی ماں کی خدمت اور بچوں کی تربیت اور محبت چھپی ہوئی ہے۔جب تک معاشرے میں نازلی خان جیسی بیٹی، اور ساجدہ زہرا جیسی مائیں زندہ ہیں،کون کہہ سکتا ہے کہ خواتین کسی دوڑ میں مردوں سے پیچھے ہیں۔

نازلی،خوش رہو

اپنی ماں اور بچوں کا خیال رکھو

کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے،

ماواں،ٹھنڈی چھاواں۔۔۔ !!!!

☆☆☆

داؤد کا فخر

نیلوفر حمید

میکینکل انجینئرنگ۔1982

دادا کا فخر

نیلوفر حمید

وہ بھی کیا وقت تھا، جب سب بچے جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جو بچے اپنے دادا دادی یا نانا نانی کی سنگت میں پروان چڑھتے ہیں۔ وہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ ذمہ دار، زیادہ حساس اور زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔

چونکہ ہر دور کے والدین آج ہی کی طرح مصروف رہے ہیں اور جب ایک بچہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوکر دوڑنے کی تیاری کرر ہا ہوتا ہے تو ایسے میں grand parents یا دادا دادی ان کو تھام لیتے ہیں۔
اس کا مطلب یہ نہیں کہ جوان ماں باپ یہ کام نہیں کرتے لیکن کہتے ہیں کہ اصل سے زیادہ سود پیارا ہوتا ہے تو بچے اپنے دادا دادی یا نانا نانی کا سود ہوتے ہیں۔ اور یہ واحد سود ہے، جو اسلام میں بھی حرام نہیں ہے۔
ایسی ہی ایک بچی 1956 کے اواخر میں حمید رضا راجہ کے ہاں پیدا ہوتی ہے، جس کا نام نیلوفر حمید رکھا جاتا ہے۔ نیلوفر اپنے والدین کی پہلی اولاد ہے، گھر کی سب سے بڑی اور ماں باپ اور دادا دادی کی چہیتی۔
کہتے ہیں کہ جس گھر میں بیٹیاں پیدا ہوں، وہاں برکتوں کے ساتھ ساتھ گھر میں رنگ بھی اترتے ہیں۔ اور ہر طرف رنگین کھلونے اور رنگین کپڑے بکھر جاتے ہیں۔

نیلوفر نے ایک ایسے گھر میں جنم لیا، جہاں والد الیکٹریکل اور میکینکل انجینئر اور دادا انگریز کے زمانے کے آئی سی ایس افسر تھے۔ انہوں نے نیلوفر کو پہلا سبق یہ پڑھایا کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقیات بھی سیکھو۔ یہی بات نیلوفر کی گھٹی میں بیٹھ گئی۔ چونکہ دادا کی پہلی پوتی تھیں، اسلئے دادا کو مصروفیت مل گئی۔ وہ پہلے ہی برٹش انڈیا سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے چکے تھے۔ اور تقسیم کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے۔

نیلوفر کہتی ہیں کہ انہوں نے اپنے دادا سے زیادہ قابل اور پڑھا لکھا شخص نہیں دیکھا، ان کے پاس انگریزی زبان میں فلسفہ، سیاست اور تاریخ کی بے شمار کتابیں تھیں اور ساتھ ہی ساتھ میوزک کا بھی شوق تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب ہماری زندگی کے نصاب میں بدعت لازمی مضمون کے طور پر شامل نہیں ہوئی تھی۔ اور ہر ذہین آدمی، مذہب، کتاب اور موسیقی سے یکساں سلوک کرتا تھا۔ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان تینوں چیزوں کا ذوق وشوق صرف ذہین لوگوں ہی میں ہوتا تھا۔

نیلوفر حمید نے جب ایسے ماحول میں پرورش پائی اور جب تیسری جماعت میں پہنچیں تو دادا جی نے ولیم شکسپیئر اور آرتھر کونیل وغیرہ کے Abridged Edition پڑھانا شروع کر دیئے۔ وقت نے یہ ثابت کیا کہ دراصل آنے والے وقتوں کے لئے دادا جان ایک مضبوط اور کھلے ذہن کی لڑکی کو پروان چڑھا رہے تھے جس میں دنیا کا مقابلہ کرنے کی تمام صلاحیتیں موجود ہوں۔

نیلوفر نے ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کی اور جب نویں جماعت میں پہنچیں تو ان کے والدین یہ طے کر چکے تھے کہ نیلوفر یا تو انجینئر بنیں گی یا ڈاکٹر۔

لیکن چونکہ بیٹیاں باپ کو رول ماڈل سمجھتی ہیں، لہٰذا لاشعوری طور پر ان کا رجحان انجینئرنگ کی طرف رہا۔ سینٹ جوزف کالج سے ایف ایس سی میں کراچی بھر میں لڑکیوں میں ٹاپ کیا اور پورے شہر میں ساتویں پوزیشن حاصل کی NED کے دروازے ان کے لئے کھل چکے تھے، چنانچہ یہ NED آ گئیں۔

ہر نئے طالبعلم کی طرح ڈری سہمی این ای ڈی میں داخل ہوئیں، ہر طرف بڑی بڑی عمارتوں، لمبی لمبی رہداریوں، اور کوریڈورز نے ان کو ایک سحر میں مبتلا کر دیا اور سونے پہ سہاگہ ان سینئرز نے کیا جو ہر نئے آنے والے کے لئے دیدہ ودل فرشِ راہ ہوا کرتے تھے۔

اور یہ NED کی ہو کر رہ گئیں اور آج چالیس سال بعد بھی ان کی شناخت ایک کامیاب بینکار یا کمپنی سیکرٹری کی کم اور NED کی زیادہ ہیں۔ چونکہ وہ NED میں لڑکوں کے شانہ بشانہ ویلڈنگ، فورجنگ اور لیتھ مشینوں کا استعمال کر چکی تھیں، اسی لئے ان کا حوصلہ بھی فولادی ہوتا گیا۔ اور آنے والے وقتوں میں زندگی میں آنے والی مشکلات کا نہ صرف مردانہ وار مقابلہ کیا بلکہ سرخرو بھی ہوئیں۔

1983 میں عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد آئی ڈی بی پی میں شمولیت اختیار کی اور آگے چل کر حبیب بینک کی کارپوریٹ سیکرٹری بھی بنیں۔ نامعلوم کتنے سرٹیفکیشن کورسز کئے، اب حبیب بینک کی کمپنی سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ اپنی کامیابی کا سارا کریڈٹ این ای ڈی اور اپنے والدین کو دیتی ہیں۔ اور دو بچوں کی تنہا پرورش کر رہی ہیں۔ اور انہیں بھی اپنے ہی جیسا مضبوط بنایا ہے۔

Neelofer Hameed

نیلوفر کو انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرز نے 2019 میں لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ بھی دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی زندگی کا motto ہے، The passimist, see difficulty in every opportunity and optimist see opportunity in every difficulty

نیلوفر یقینی طور پر بہت اچھی optimist ہیں۔

جب میں نیلوفر کی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کسی بھی شخصیت کو بنانے میں اولیں سال کتنی اہمیت کے حامل ہیں، سینٹ جوزف کالج کے سخت ماحول سے این ای ڈی کا سفر ایک ایسی ٹرین کا سفر ہے، جو کھیتوں کھلیانوں کے درمیان تیزی سے دوڑ رہی ہے اور تیز رفتاری کے باوجود ہر طرف سبز ہی سبز کھیت نظر آ رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کا انجینئر بننا، کم از کم چالیس سال قبل تو ایک خواب ہی تھا۔ مشنری کالج سے این ای ڈی کالج کا سفر شخصی آزادی کا بھی سفر ہے۔ ہر طالبعلم یا طالبہ کی طرح کلاس بنک کرنے کی آزادی

طلبہ سیاست کی آزادی،

کینٹین میں بیٹھنے کی آزادی،

اور گرلز کامن روم کی جانب گردش کرتے لڑکوں پر تبصرے کرنے کی آزادی۔

اور جان بوجھ کر این ای ڈی کا آخری پوائنٹ miss کرنے کی آزادی۔

تا کہ دوستوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے اور قہقہے لگاتے پیدل کراچی یونیورسٹی جائیں اور اس کے آخری پوائنٹ سے گھر پہنچیں۔

ان تمام باتوں کا رومانس صرف وہی سمجھ سکتا ہے اور اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ جس میں بلا کی خود اعتمادی ہو، اپنے کنبے سے محبت کرتا ہو اور زندگی کے سفر کو تمام مشکلات کے باوجود ہنستے کھیلتے گزار دے۔

این ای ڈی کی مشہور اور کامیاب طالبات کا جب بھی ذکر ہوگا، نیلوفر حمید کا نام اس میں سنہرے حروف سے سب سے اوپر لکھا جائے گا۔ نیلوفر حمید بلاشبہ N E D کا اثاثہ ہیں۔ اور میری چھوٹی بہن بھی۔

☆☆☆

بابِ دوم

آوازے کہاں ہے

آواز دے کہاں ہے

"گمشدہ ہیرے"

اس عنوان سے میں نے این ای ڈی کے
ایسے نایاب ہیروں کو جمع کیا ہے
جو زمانہ طالب علمی میں
این ای ڈی کی شناخت ہوتے تھے

ان سب نے عملی زندگی میں اپنا ، این ای ڈی
اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔ لیکن
وقت کے ساتھ ساتھ نظروں سے اوجھل ہوتے گئے۔
غمِ دُنیا، غمِ دل اور غمِ روزگار نے انہیں
المنائی کی محفلوں سے بھی دُور کر دیا۔
لیکن سارے وہ لوگ ہیں جو اپنے زمانہ طالبِ علمی میں
اپنے اپنے حلقے میں جہاں کھڑے ہو جائیں لائن وہیں سے
شروع ہوتی تھی۔ آیئے اِن نایاب ہیروں سے ملتے ہیں

سب کا محسن

ارشاد سلیم

یہ عجیب واقعہ ہے، NED اولڈ کیمپس کی کینٹین میں ترقی پسندوں کا مجمع لگا ہے، اور NED اور ڈی جے کالج کے ہم خیال طلبہ ایک جگہ گرم گرم چائے کی پیالیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ میرا NED میں تیسرا سال ہے۔ ایک چھوٹے قد کے طالبعلم کے آگے کافی دراز قد طلبہ روز جمع ہوتے ہیں اور اسے غور سے سنتے ہیں۔ میرا تجسس بھی بڑھتا ہے اور ایک دن موقع پا کر میں اس کے پاس جاتا ہوں اور نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ آپ فائنل ائیر کے کس سیکشن میں ہیں؟ وہ مسکرا کر جواب دیتا ہے کہ میں ابھی تک NED کا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں لیکن اس میں داخلے کے لئے میرٹ لسٹ پر ہوں اس نوجوان کا نام تھا، ارشاد سلیم۔ جو کہ ڈی جے کے زمانے ہی سے NED سے ایک رشتے میں بندھ گئے تھے۔

میرا ارشاد سے دوستی کا سفر وہیں سے شروع ہوا اور آج چالیس سال بعد بھی جاری ہے۔ آگے چل کر طلبہ سیاست، فنون لطیفہ کے شعبوں، مصوری، شاعری اور پھر دیس پردیس کا ویب پورٹیل ان کی شناخت بنا۔ پی ایس ایف کے کارکن اور لیڈر اور پھر اسٹوڈینٹس یونین کے لٹریری اینڈ ڈیبیٹنگ سیکرٹری اور سب کی آنکھ کا تارا۔

والد صاحب کی کمپنی پیپلز انٹر پرائز تھی، جو پی آئی اے کا ہینگر تعمیر کر رہی تھی، اور جب بھی شاہراہ فیصل سے گزرو، ہر طالبعلم اشارہ کرتا تھا کہ یہ ارشاد سلیم کی کمپنی کا کام ہے۔ سب پیار سے انہیں ننھے ماموں بھی کہتے تھے۔ میرے زمانۂ طالبعلمی کے مقبول پروگرام روبرو یعنی Face to Face کے اجراء اور کامیابی میں بھی ارشاد سلیم کا ایک اہم کردار رہے۔

NED سے گریجوٹ ہوتے ہیں اور پھر امریکہ آجاتے ہیں۔ یہاں ایک نیا ارشاد سلیم پیدا ہوتا ہے ننھے ماموں ارشاد سلیم۔ان کا گھر ایک منی ہاسٹل کا درجہ اختیار کر لیتا ہے اور امریکہ جو بھی آتا ہے اس کا پہلا ٹھکانہ ارشاد سلیم کا گھر ہے۔ یہ بورڈنگ اور لاجنگ اور بعد میں نوکری دلوانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔اور ایک کھیپ کے بعد دوسری کھیپ آجاتی ہے۔ارشاد سلیم اب صرف چیف کہلاتے ہیں،ان کے دوستوں کی ہر وقت کی سنگت اور مدح سرائی ان کی ذاتی زندگی کو بھی منتشر کر دیتی ہے جو کہ یہ اپنی دیگر خانگی ذمہ داریوں کو دوستوں کی وجہ سے پورا نہیں کر پاتے۔ یوں ان کی زندگی کا اعتدال یعنی بیلنس بگڑ جاتا ہے۔اور خانگی معاملات مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

امریکہ ہی میں اپنی کمپنی کھولتے ہیں اور کامیابی سے چلانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔کامیاب NEDIANs کی پہلی صف میں کھڑے ہیں۔2001 میں جب میں امریکہ گیا تو نہ صرف میرے میزبان بنے بلکہ اپنا گھر اور دفتر میرے لئے کھول دیا۔ ہر ذہین آدمی کی طرح ایک حساس دل رکھتے ہیں اور لوگوں سے توقعات بھی۔توقعات اس بات کی نہیں کہ جن کے ساتھ انہوں نے اچھا کیا، وہ اس کا جواب بھی اچھا دیں۔ بلکہ توقع اس بات کی کہ وہ ارشاد سلیم کے بارے میں انصاف کی بات کریں۔

کہتے ہیں کہ توقعات انسان کو مایوس کرتی ہیں اور شاید ایسا ارشاد کے ساتھ بھی ہوا۔لیکن NED ، پی ایس ایف، اسٹوڈینٹس یونین، امریکہ، امریکہ میں لوگوں کی مدد کرنے والوں کی جب بھی فہرست بنے گی تو آپ ارشاد سلیم کا نام اس میں سے نہیں نکال سکیں گے۔ ویسے میں خاکے اجازت لے کر لکھتا ہوں لیکن یہ خاکہ چونکہ میں نے دل سے لکھا ہے، لہذا ارشاد کی اور اپنے دماغ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ارشاد سلیم کا امریکہ آنے والوں پر قرض ہے اور یہ قرض کسی کو تو اتارنا ہے۔اب چاہے یہ ناراض ہوں یا خوش، طلبہ کے محسن ہیں اور یہی اس خاکے کا عنوان بھی۔

☆☆☆

Irshad Salim

زِندۂ جاوید

ارشد جاوید

ارشد جاوید کا نام سال 70 کی دہائی کی غیرنصابی سرگرمیوں کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ارشد جاوید سن 1950 میں ایسے والدین کے ہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں والد اٹارنی یعنی وکیل اور والدہ ٹیچر ہیں۔ کراچی کی گلیوں میں کھیلتے کھیلتے پہلے میٹرک کرتے ہیں۔ اور پورے کراچی میں دوسری پوزیشن بھی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح سن 1967 میں ایف ایس سی بھی امتیازی نمبروں سے پاس کر کے NED آ جاتے ہیں۔ جہاں سے سن 1971 میں سول انجینئرنگ میں ڈگری لیتے ہیں اور پھر روٹری اسکالرشپ اور کولمبس کی سرزمین جہاں جا کر یہ وہیں کے ہو رہے۔

70 کی دہائی پاکستان کے تعلیمی اداروں میں غیرنصابی سرگرمیوں کے فروغ کی دہائی ہے۔ اردو مباحثہ ہو یا شعروشاعری، موسیقی ہو یا کوئز مقابلے، ہر کالج میں لڑکے لڑکیاں مختلف شعبوں میں شرکت کر کے اپنا نام پیدا کرتے ہیں۔ جہاں NED نے بہت سے اچھے مقرر پیدا کیے، جن میں عبدالعظیم، اسد اشرف ملک، شاہ جمشید جامی اور سیما انصاری شامل ہیں، وہاں کوئز مقابلوں میں پہلے ارشد جاوید اور پھر آگے چل کر فیاض المدثر مبین نے بھی اپنا نام پیدا کیا۔

امریکہ میں تعلیم کے بعد پہلے سرکاری ملازمت کی اور پھر پرائیوٹ سیکٹر میں اپنی خدمات انجام دیں۔ سال 1984 میں آرکیٹیکچر میں فارغ التحصیل سعدیہ رضوی سے شادی کی اور اب لاس اینجلس میں اپنے تین بچوں اور ایک Grand Child کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔

اولادیں بھی ماں باپ، دادا دادی اور نانا نانی کی طرح اعلیٰ تربیت یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑی بیٹی بینا سید اٹارنی ہے، بیٹا علی سید ڈاکٹر ہے اور چھوٹی بیٹی اریبہ سید سول انجینئر ہے۔

Arshad Jawed

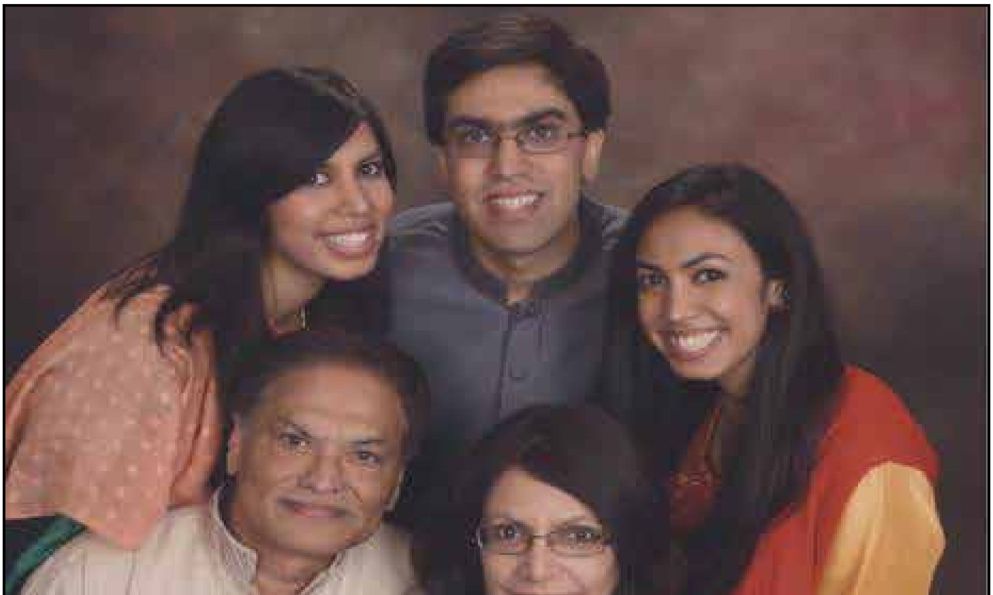

ارشد جاوید NED المنائی NA Chapter کے صدر بھی ہیں۔ اوران کے دور میں اوراس سے پہلے بھی ایک خاص کام اس Chapter نے یہ کیا ہے کہ NED کے مستحق طلباوطالبات میں اسکالرشپ کا قیام ہے۔ان کی ایسوسی ایشن ہرسال اسی (80) بچوں کومفت تعلیم دلاتی ہے۔اورگزشتہ چودہ (14) سال میں کم ازکم سات کروڑروپے سے زیادہ رقم یہ اس پرخرچ کر چکے ہیں۔

کہتے ہیں کہ میں نے پاکستان اڑتالیس (48) سال پہلے چھوڑ دیا تھا لیکن یہ میرے دل میں آج بھی زندہ ہے۔48 سال میں اڑتیں (38) مرتبہ پاکستان کا دورہ بھی کر چکے ہیں۔

زمانۂ طالبعلمی میں ارشد جاوید جنگ اخبار میں ذہن کی آزمائش اور بزم طلبہ کے کوئز مقابلوں میں بھی اپنااور NED کا نام روشن کر چکے ہیں۔اسی لئے میرے خاکے کا عنوان ہے''زندہ جاوید۔ارشد جاوید''۔

☆☆☆

ایک تھا لیڈر

اقبال کھتری

جو NEDIANS سن 75-74 کے NED کا حصہ ہیں، وہ اس نام سے بخوبی واقف ہیں۔ ایک دبلا پتلا، چھریرے بدن کا لڑکا جس کے منہ میں ہر وقت سگریٹ لگی ہو اور وہ طلبہ کے مختلف گروہوں کو NED for NEDIANS کا گیان دیتا نظر آئے گا، پی ایس ایف کا حصہ، طلبہ سیاست کا حصہ۔ پہلے اسٹوڈینٹس یونین کا جنرل سیکرٹری اور پھر طلبہ یونین کا صدر۔ کھارادر کراچی میں ہالائی میمن جماعت کے ایک ایسے گھر میں پیدا ہوتا ہے جو کہ گجرات، انڈیا سے سن 47 میں ہجرت کرتا ہے۔

ابتدائی تعلیم کھارادر کراچی، ڈی جے سائنس کالج اور پھر NED اور پھر 80 سے 84 میں یو ایس اے سے ماسٹرز۔ NED میں پڑھایا بھی اور پھر NED کی اسکالرشپ پر امریکہ آ گئے۔ گزشتہ تیس (30) سال سے سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ ریاض ائیر پورٹ اتھارٹی اور سعودی ائیر ڈیفنس میں کام کر چکے ہیں۔ اور آج بھی سعودی ائیر ڈیفنس سسٹم کے نمائندے ہیں۔

ایک بڑی فیملی جس میں نو بہن بھائی کا حصہ ہیں، چونتیس (34) سال سے شادی شدہ چار بیٹیوں کے باپ اور نانا ہیں۔ NED کو ان سے شکایت یہ ہے کہ NED میں پرائم ٹائم گزارنے کے باوجود NED کو بھول گئے اور میری بہت کوشش کے بعد برآمد ہوئے۔ لیکن ماضی کی خدمات جو بحیثیت جنرل سیکرٹری اور پھر صدر اسٹوڈینٹس یونین کے انہوں نے انجام دی ہیں تو میرے خاکے کے اس حصے کے سب سے بڑے شہسوار ہیں کہ ’’نایاب ہیرا۔۔اقبال کھتری۔۔!!!‘‘

☆☆☆

Iqbal Khatri

بیچ 78 کا باپو

انیس پایا

ویسے تو ان خاکوں کا عنوان ہے: ''نایاب ہیرے''، لیکن شکاگو جانے والے کسی بھی NEDIAN کے لئے انیس پایا ہر جگہ موجود ہے۔ انیس نے میٹرک میں پورے کراچی میں تیسری پوزیشن حاصل کی، پھر آدمجی سائنس کالج آگئے اور سال 78 میں NED سے مکینکل انجینئرنگ میں ڈگری ملی۔ لیکن یہ تو عام سی بات ہوئی، جو NED آتا ہے، ڈگری لے کر ہی جاتا ہے۔ پھر 1980 میں امریکہ آگئے اور ڈبل ماسٹرز کیا۔ امریکہ ہی میں مختلف ملازمتوں میں مصروف ہوگئے۔

ان کی اس کتاب میں شمولیت ان کی ایک منفرد خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ امریکہ کے شہر شکاگو میں کوئی بھی NEDIAN وزٹ پر آئے، وہ ان سے ضرور رابطہ کرتا ہے۔ یہ اس کی بہترین طریقے سے میزبانی بھی کرتے ہیں۔ ان کا ایک اور کارنامہ سال 78 کے Batch کا واٹس ایپ گروپ بنانا ہے۔ انہوں نے دن رات محنت کر کے تقریباً 145 لوگوں کا گروپ تشکیل دیا ہے۔ جو کہ نہ صرف ہر وقت رابطے میں رہتے ہیں، بلکہ اگر کوئی کسی شہر میں جارہا ہو تو پہلے سے منادی کردی جاتی ہے اور ہر وقت سن 78 کا Meet n greet بھی کہیں نہ کہیں ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ گروپ پاکستان، کینیڈا، امریکہ، سنگاپور اور کانگو افریقہ اور سعودی عرب کے ان تمام NEDIANS پر مشتمل ہے، جو کہ سن 78 میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی لئے انیس پایا سال 78 کے باپو یعنی گاندھی جی ہیں۔

NED کے محاذ پر المنائی ایسوسی ایشن کے دنیا میں کسی بھی تنظیم کے بانی ممبران میں سے ہیں۔ NEDIAN شکاگو کے بورڈ آف ڈائریکٹرز، چیئر مین ایڈوائزری کونسل، چیئرمین کنونشن 2010،

Anis Paya

NEDAIN NA کے بانی ممبران اور NED اسکالرشپ پروگرام کا حصہ بھی رہے۔

دنیا بنانے کے بعد اب آخرت سدھارنے میں مصروف ہیں۔ کمیونٹی سینٹر اور مسجد کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ پچاس ہزار اسکوائر فٹ کی مسجد کے کمپلیکس کے کنسٹرکشن انچارج ہیں اور جنت کے حصول کے ایک اچھے امیدوار بھی۔

شکاگو ہی میں اپنی بیگم ڈاکٹر وسیعہ انیس اور دو بچوں سحر اور سلمان کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ وسیعہ نہ صرف کینسر اسپیشلسٹ ہیں بلکہ پاکستان کے مختلف اسپتالوں کو فری میڈیکل ایڈوائس بھی دیتی ہیں۔ انیس خوش قسمت ہیں کہ ان کی ماں کا سایہ ان کے سر پر موجود ہے۔ اور ان ہی کی دعاؤں سے زندگی میں کامیابی، ایک اچھی بیوی، اچھی نوکری، اچھے۔۔۔ اور اچھے بچوں کے ساتھ زندگی کے سفر میں روز بروز آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔

انیس بلاشبہ اپنے خاندان اور سال 78 کے Batch کا باپو ہے۔۔۔ !!!!

جب یہ مقالہ چھپنے چلا گیا تو ان کی والدہ ماجدہ جہانِ خانی فانی سے کوچ کر گئیں۔ اللہ مغفرت کرے

☆☆☆

میری بہن

ثمینہ اعظم

اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میرا جیون کورا کاغذ کورا ہی رہ گیا، یہ نغمہ سال 74 کا ایک دلکش گیت تھا، جسے لکھا تھا، ایم جی حشمت نے، آواز تھی کشور کمار کی اور فلم کا نام تھا'' کورا کاغذ'' اور موسیقی ترتیب دی تھی کلیان جی، آنند جی نے تو آپ بہت غلط نہیں ہیں۔ لیکن ایسا صرف سال 75 تک تھا، سال 76 میں NED میں قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات ہو رہی ہیں، اور مقابلہ موسیقی جاری ہے۔ ایسے میں ایک خوبصورت طالبہ اٹھتی ہے، اور اسٹیج پر جا کر یہ گانا لہک لہک کر گانا شروع کر دیتی ہے کہ میرا جیون کورا کاغذ کورا ہی رہ گیا۔ یہ اس زمانے کا سپر ہٹ گانا تھا۔ اور طلبہ اپنے اپنے کورے کاغذ لئے قلم اور دوات کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔

اُس لڑکی کا نام تھا، ثمینہ اعظم جو بعد میں ثمینہ تنویر ملک بنیں اور NEDIANS کے لئے اس کے بعد ہی سے یہ گانا ثمینہ اعظم کا گانا ہوا۔ بات چھوٹی سی ہے، آج کی دنیا کے لئے معمولی بھی۔ کیونکہ آج کل لڑکوں کے درمیان اس طرح آ کر گانا گانا کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن یہ ذکر ہے، آج سے چھیالیس (46) سال پہلے کا، جب سولہ سو (1600) لڑکوں میں مشکل سے پچیس لڑکیاں ہوتی تھیں اور اس میں سے بھی چھبیس (26) اپنے آپ کو بہت خوبصورت بھی سمجھتی تھیں۔

ثمینہ کا یہ عمل اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ یہ خاتون نہ صرف ایک بہادر خاندان سے ہے، بلکہ خود بھی بہت بہادر ہے۔ اور اپنا ایک مزاج رکھتی ہیں۔ کسی کے بھی قلم، دوات اور کاغذ لے کر پیچھے پھرنے سے اپنے من کے کورے کاغذ پر ان کا نام لکھنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔

ثمینہ اعظم، فتح اعظم اور نجمہ آراء کے ہاں پیدا ہونے والی سات اولادوں میں سے بیچ کی اولاد

ہیں۔ والد مرحوم ایک بہت سینئر ٹیکنو کریٹ اور والدہ امورِ خانہ داری کی ماہر۔ ابتدائی تعلیم ہری پور ہزارہ، پشاور اور پھر ہزارہ میں کی اور اس کے بعد NED آ گئیں۔ جہاں بی ای الیکٹریکل میں داخلہ لیا۔ یہاں ان کے بڑے بھائی ظفر اعظم، جو سال 77 کے پوزیشن ہولڈر بھی ہیں، پڑھ رہے تھے۔

اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ڈاکٹری کے بجائے انجینئرنگ کو ترجیح دی۔ چونکہ یہ وہی بننا چاہتی تھیں جو کہ پاپا ہیں۔ ان کے والدین کوئٹہ میں تھے۔ لہٰذا کراچی آ کر شروع میں رشتے داروں کے ہاں رہیں اور اس کے بعد ایک خصوصی انتظام کے تحت کراچی یونیورسٹی کے ہاسٹل میں اور یوں NED سے کراچی یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی سے NED کا پیدل سفر جاری رہا اور چار سال گانے گاتے، بیت بازی کرتے، جھومتے جھومتے اور اکثر گنگناتے گنگناتے سال 80 میں NED سے الیکٹریکل انجینئرنگ پاس کر لی۔

پاکستان میں نیس پاک میں نوکری کی اور سال 88 میں امریکہ آ گئیں، یہاں سے یونیورسٹی آف الونائے سے ماسٹرز کیا اور ایک طویل عرصے لوسن ٹیکنالوجی میں کام بھی۔ اب ریٹائر ہو چکی ہیں اور اپنے پوتے گیب کے ساتھ مصروف رہتی ہیں۔

خانگی زندگی کے تمام تر سکون اور اطمینان کے بعد ایک ایسا واقعہ ہوا کہ اس نے ان کو ہلا کر رکھ دیا۔ اکتوبر 2020 میں ان کے گھر کو آگ لگی اور آدھا گھر جل کر خاک ہو گیا۔ یہ اور تنویر بہت مشکل سے جان بچا کر گھر سے نکلے۔ یہ گھر آج بھی جلا ہی ہوا ہے کیونکہ انشورنس، approval اور دیگر مسائل کووڈ کی وجہ سے التواء کا شکار رہے۔ جب آپ کی ساری گھر گرہستی جل جائے، جو آپ نے آہستہ آہستہ جمع کی ہو اور وہ جاتی رہے تو آدمی کا ڈپریشن میں جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ لیکن یہاں بھی ثمینہ کی اپنی خاندانی بہادری اور شوہر تنویر عالم کی سپورٹ کام آئی اور حالات کے سامنے اس طرح ڈٹ کر کھڑی ہو گئیں، جیسے سن 76 میں سولہ لڑکوں کے سامنے اسٹیج پر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

یہ خاندانی تربیت اور حوصلہ تھا، جس نے اس کو زندہ اور صابر و شاکر رکھا۔ ثمینہ زمانۂ طالبعلمی سے میری بہن ہے اور صوفیہ کی بہترین دوست بھی۔ اور میرے دل کے بہت قریب تنویر عالم کی بیوی بھی۔ ثمینہ کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کے میں اور صوفیہ عینی شاہد ہیں۔ محبت، شادی، ماں بننا، امریکہ آنا اور پھر پڑھنا اور گھر چلانا، ہم سے زیادہ کون جانتا ہے۔

جو چیز ثمینہ کو باقی سب لڑکیوں سے منفرد کرتی ہے، وہ اس کا فری اسٹائل میزبانی ہے۔ اس کا گھر اس کے دوستوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اپنے گھر کی طرح آؤ، بیٹھو، رہو، کھاؤ اور پیئو اور خوش رہو۔ اس

صفت نے ثمینہ کے گھر کو ایک فری ائیر بی این بی بنا دیا ہے۔ میری بڑی بیٹی فاطمہ کی شادی بھی اس کے شکاگو کے گھر سے ہوئی جہاں بیک وقت بیس پچیس مہمان ٹھیرے۔ لیکن ثمینہ اور تنویر نے اپنا گھر اور دل سب کے لئے کھول دیا۔ یہی وہ خصوصیات ہیں، جو مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہیں کہ ثمینہ میری بہن تھی، ہے اور رہے گی۔ بس تنویر سے شادی کے بعد یہ ضرور کہتا ہوں کہ اللہ بہنوں کی قسمت اچھی کرے (اور سب کو تنویر جیسے شوہر ملیں)۔

☆☆☆

Samina Azam

باکمال لوگ لاجواب پرواز

جاوید داؤد شیخ

سن 75 کے NED کے نیو کیمپس کے کوریڈورز میں دو ایسے چہرے گھومتے نظر آتے ہیں، جن میں سو فیصد مماثلت ہے یعنی Identical Twins۔ گو کہ دونوں کی کلاسوں میں ایک سال کا فرق ہے، لیکن چہرے، لباس اور حرکات مکمل ایک جیسی ہیں۔ میرے ساتھ اکثر یہ ہوا ہے کہ ایک سے بات کر کے گیا اور چند گھنٹے بعد دوسرے سے ملاقات ہوئی تو گفتگو وہیں سے شروع کر دی، جہاں وقفہ دیا تھا۔

ان بھائیوں کے نام پرویز داؤد شیخ اور جاوید داؤد شیخ ہیں، جو کہ پی ڈی اور جے ڈی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ دونوں اس قدر مماثلت رکھتے تھے کہ اساتذہ اور سارے طالبعلموں کو ان دونوں کو منفرد طریقے سے پہچاننے میں مشکل ہوتی تھی۔ میرے اس خاکے کا عنوان ہے، JD یعنی جاوید داؤد شیخ۔ جو کہ میرے سن 78 کے Batch mate بھی ہیں۔

جاوید داؤد ایوی ایشن انڈسٹری کا ایک جانا پہچانا نام ہیں، انجینئرنگ کرنے کے بعد پی آئی اے میں فلائیٹ انجینئر کی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں، پی آئی اے کا انتخاب دراصل ان کے اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے کا اظہار یہ بھی ہے، جو کہ پی آئی اے کے انجینئرنگ کے شعبے کے بانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ ان کے والد برطانیہ سے انجینئرنگ کرنے کے بعد کلکتہ آئے اور اورینٹ ائیرویز قیام پاکستان سے چند ماہ قبل جوائن کی۔ جاوید کے والد صاحب ان عظیم لوگوں میں سے ہیں، جو 12 اگست 1947 کو اورینٹ ائیرویز کی پہلی فلائیٹ لے کر کراچی آئے اور یہی اورینٹ ائیرویز بعد میں سن 56 میں نیشنلائز ہو کر پی آئی اے بنی۔ گویا جاوید خاندانی طور پر پی آئی اے کے انجینئر ہیں۔

پی آئی اے میں شمولیت کے بعد جاوید نے یونیورسٹی آف سدرن کیلے فورنیا سے ایئرواسپیس انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا اور ماسٹرز کر کے جب پاکستان واپس آئے تو پی آئی اے کے چیئرمن کے اسپیشل اسسٹنٹ کا اہم عہدہ ان کا منتظر تھا اوراس کے بعد ترقی کر کے جنرل منیجر اور پھر ڈائریکٹر کی سطح تک پہنچے۔ پیشہ ورانہ زندگی کے اولین اٹھارہ (18) سال پی آئی اے کو دیئے۔لیکن جب پی آئی اے میں اقرباء پروری، نان پروفیشنل ازم، سیاسی بھرتیاں اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں نے ایئرلائن کو مفلوج کرنا شروع کیا تو بددل ہوکر پی آئی اسے سے استعفیٰ دے دیا۔

کہتے ہیں کہ قابلیت اور اہلیت اپنے آپ کو خود ہی منوالیتی ہے، جس شخص کے پاس NED کی ڈگری ہو، سدرن کیلی فورنیا سے ماسٹرز اور پی آئی اے کا وسیع تجربہ اور ان سب سے زیادہ طبیعت کا ٹھیراؤ اور ایک خاص پروفیشنل ازم کا کردار، اس کے لئے نوکریوں کی کیا کمی۔ سن 97 میں IATA میں ڈائریکٹر انجینئرنگ کا موقع ملتا ہے اور کینیڈا منتقل ہوجاتے ہیں۔ جاوید کی ایوی ایشن کی دنیا میں اتنے کارنامے ہیں کہ ان پر کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ جاوید 289 ائرلائنز کے دنیا بھر میں ہونے والے مسائل کے حل تلاش کر چکے ہیں۔2010 سے ایلی گینٹ ائیر میں وائس پریذیڈنٹ پروکیورمنٹ کی حیثیت سے فائز ہیں۔ان کی ایئرلائن کے پاس 125 ایئربس جہازوں کا Fleet ہے اور یہ امریکہ میں 140 منزلوں کی جانب رواں دواں ہیں۔

یہ تو جاوید داؤد کا تعلیمی اور پیشہ ورانہ پس منظر ہے،لیکن ہم تو جے ڈی کی بات کر رہے تھے جو کہ ایک نہایت سنبھلا ہوا انسان ہے۔جس کی رگوں میں تعلیم یافتہ ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ والد قیام پاکستان سے پہلے کے فلائیٹ انجینئر اور والدہ شعبہ طب سے وابستہ۔ان دونوں نے تمام اولادوں کو جہاں بہترین تعلیم دی وہیں شخصیت میں ایک خاص بھرم، نفاست اور شرافت بھی شامل ہے جو کہ جاوید کو دیکھتے ہی نظر آجاتی ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ طاہرہ سے شادی کی، جو سن 83 میں ان کی زندگی میں آئیں، طاہرہ کی صورت میں ان کو ایک ایسی شریک حیات ملیں، جو کہ نہ صرف ان کی قوت بنیں، بلکہ انہوں نے جاوید کے خاندان کا خیال بھی رکھا ، بیٹیوں کی طرح بہوؤں کی طرح نہیں۔ یہ اپنے تین بچوں پارس، سعد اور اسد کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔

سن 2010 سے اپنی بیگم کے ساتھ ملازمت کے سلسلے میں لاس ویگاس میں مقیم ہیں، دوستوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہاں آیا جائے لیکن اب دوست اس عمر میں لاس ویگاس جا کر کیا کریں گے؟ کیونکہ اب سب اس عمر کو پہنچ چکے ہیں کہ عمرے اور حج کی فکر میں ہیں۔

جاوید ہمارے NED کے ان نایاب ہیروں میں سے ہیں، جن کی چکا چوند ایوی ایشن کی صنعت کو تو روشنی بخش ہی رہی ہے لیکن ہماری کلاس 78 کے ساتھیوں کو بھی روشنی کا منبع بناتی ہے۔ جاوید ہمارا اثاثہ ہے۔

☆☆☆

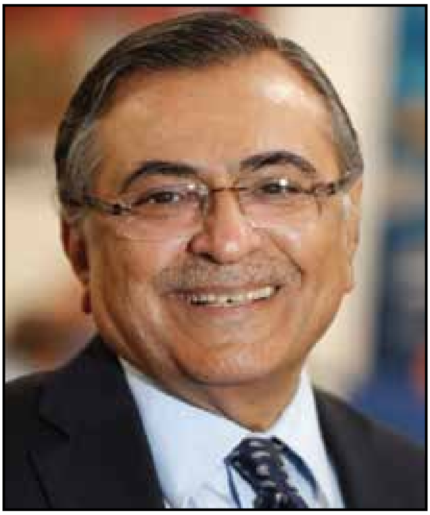

Jawed Daud

سچّا سُرخا

جاوید زیدی

یہ ایک ایسے شخص کا ذکر ہے، جو کہ شاید اب آپ کے ذہن سے محو ہو چکا ہو، لیکن جب NED میں ہر طرف پی ایس ایف کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ ایک طالبعلم ایسا بھی تھا، جو این ایس ایف کاظمی گروپ کے یونٹ کا صدر تھا۔ اور پھر سیکنڈ ائیر میں پی ایس ایف کا حصہ بن گیا لیکن اندر سے سرخا ہی رہا اور آج امریکہ میں ہونے کے باوجود سرخا ہی ہے۔

جاوید زیدی راولپنڈی میں پیدا ہوئے، والد صاحب جی ایچ کیو یعنی پنڈی میں افواج پاکستان سے منسلک تھے جو کہ بعد میں ٹرانسفر ہو کر امریکہ میں پاکستان ایمبیسی آ جاتے ہیں۔ اور سن 55 سے 60 تک وہیں رہتے ہیں۔ سن 68 میں کیڈٹ کالج پٹارو میں داخل ہوتے ہیں اور آصف زرداری کے کلاس فیلو بھی بنتے ہیں اور آٹھویں جماعت ان کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔ ڈی جے کالج سے انٹرمیڈیٹ کرتے ہیں اور پورے کراچی میں دوسری پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔

داؤد اور NED دونوں میں داخلہ ملتا ہے، لیکن ترجیح NED ہی کو دیتے ہیں اور ہمارے Batch mate ہو جاتے ہیں۔ طلبہ کو سیاست کے رموز سکھاتے ہیں اور بہت سے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ جو NSF کے تھے پی ایس ایف کے ان لوگوں میں شامل کر دیتے ہیں جو کہ لوگوں کی تربیت کرتا ہے یعنی کور گروپ میں۔ خود الیکشن نہیں لڑا لیکن ہر الیکشن میں پیش پیش رہے اور یوں مکینیکل انجینئر نگ میں ڈگری لی۔

نیشنل ریفائنری پاکستان، کویت نیشنل پیٹرولیم اور عراق اور کویت کی جنگ میں صرف اپنی جان ہی

Jawed Zaidi

بچاسکے اور آج تک اس کے اثرات محسوس کرتے ہیں۔کویت کے بعد ابوظہبی میں
Adnoc اور پھر سن 98 میں امریکہ شفٹ ہوجاتے ہیں ۔یہاں برٹش پیٹرولیم میں کام کیا اور پھر
NED المنائی میں گاہے گاہے شرکت کرتے ہیں۔

حال ہی میں دل کے ایک شدید دورے میں اللہ نے صحت دی، آج کل شکاگو میں اپنی بیگم فرح اور تین بچوں ایک بیٹی اور دو بیٹوں کے ساتھ مزے کرر ہے ہیں۔گولف ان کے مشاغل میں شامل ہے لیکن گولف کھیلنے کے باوجود اندر سے ابھی تک سچے سرخے ہیں۔اسی لئے اس خاکے کا عنوان ہے:''سچا سرخا۔جاوید زیدی''

☆☆☆

سرحدوں کا مُحافظ

میجر جنرل (R) جمال شاہد

NED سے فارغ التحصیل ہونے والے لوگوں میں جہاں آنے والے وقتوں میں بہترین انجینئر پیدا کیے ، وہیں ہمارے کچھ ساتھی ایسے بھی ہیں، جو بنیادی طور پر تو انجینئر ہیں، لیکن ان کی وجۂ شہرت صرف انجینئر نگ ہی نہیں، بلکہ ایک ایسے ادارے میں خدمات ہیں جو کہ ہماری سرحدوں کی محافظ ہے یعنی پاک افواج۔

ایسا ہی ایک طالبعلم اور ہمارا Batchmate بی ای کرتے ہی فوج میں کپتان بنتا ہے اور ترقی کر کے میجر جنرل کے عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ NED میں ڈیفنس nominees کا ایک خاص کوٹہ ہوتا تھا، جو کہ شاید اب بھی ہوتا ہو۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنی فوج کی نوکری میں اتنے آگے تک جاتے ہوں۔

جمال شاہد کے بھائی پرویز شاہد بھی فوج میں جنرل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے لیکن جمال ہمارا فخر اسلئے بھی ہے کہ یہ پہلے ساتھی ہیں جو اس عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے اور ہم خم ٹھونک کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا بھی جرنیلوں میں اٹھنا بیٹھنا رہا ہے۔ 27 مارچ 1981 کو آرمی کی کور آف الیکٹریکل اینڈ میکینیکل میں کمیشن لیا، اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں کمانڈ اسٹاف پروکیورمنٹ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ کوئٹہ کا اسٹاف کالج ہو یا اسلام آباد کی نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی دونوں جگہ کے گریجوٹ ہیں فوج کی طرف سے سعودی عرب اور واشنگٹن یو ایس اے میں ٹیکنیکل لائژن آفیسر کی حیثیت سے بھی کام کر چکے ہیں۔ جو کہ NED کے گریجوٹ کے لئے فخر کا باعث ہے۔

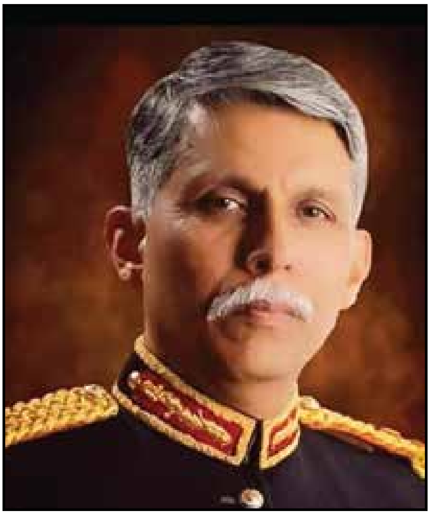

Maj Jamal Shahid

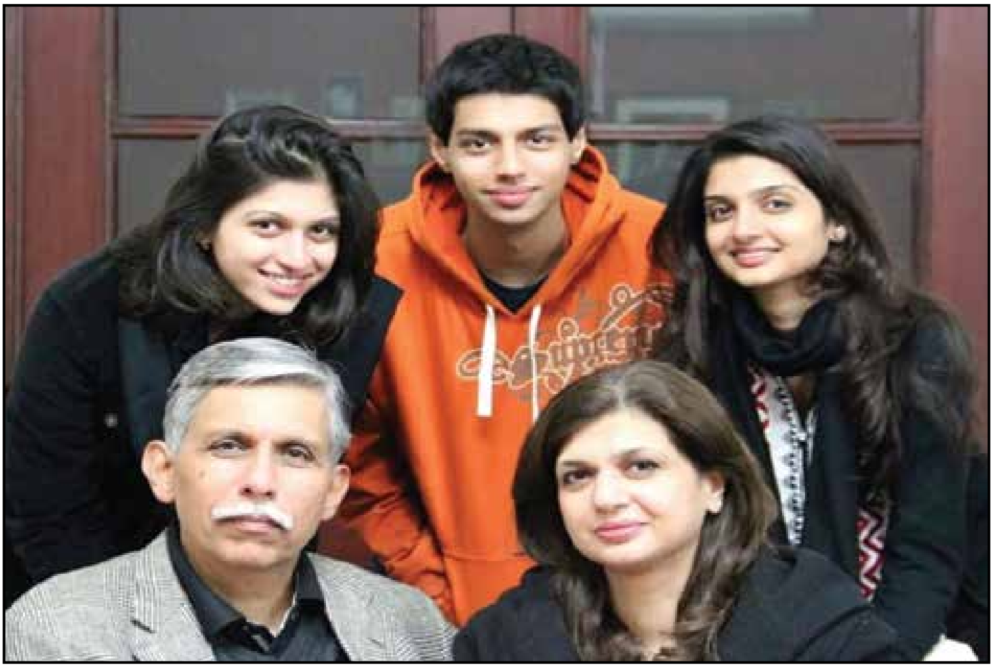

ریٹائرمنٹ کے وقت جنرل شاہد ہیڈکوارٹر میں ڈائریکٹر جنرل انسپیکشن اور ٹیکنیکل ڈیولپمنٹ کی حیثیت سے فائز تھے۔ جنرل جمال شاہد ای ایم ای کے وہ پہلے افسر ہیں، جو اسٹاف کالج کوئٹہ اور نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد دونوں جگہ انسٹرکٹر رہے ہیں۔ جو ان کی اعلیٰ تعلیمی مہارت اور قابلیت کی دلیل ہے اور ای ایم ای کے پہلے میجر جنرل ہیں، جو لاگ ایریا کے کمانڈر بھی رہے ہیں۔

ہم سارے دوست اس بات پر متفق ہیں کہ شاہد کی جنرل کی وردی میں جو تصویر ہے، اس میں ان کی شکل پر اتنا بھولا پن ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ایسا جنرل کبھی ریٹائر نہ ہو۔ اور ان کی تصویر اہم شاہراہوں پر فوج کے سافٹ امیج کے لئے جگہ جگہ آویزاں کردی جائے۔

چلیں، یہ تو تعارف ہوا، جو کسی بھی حاضر اور غیر حاضر جنرل کا ہونا چاہئے۔ آیئے، اب ہم آپ کو اس جمال شاہد سے ملواتے ہیں جو کہ دوستانہ ماحول کا بھی جنرل ہے۔ ذاتی اور قریبی دوستوں میں ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ، بلا کی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی اور سونے پر سہاگہ لاتعداد اشعار کا یاد ہونا ان کی خصوصیت ہے۔ زمانہ طالبعلمی میں ان کے چہرے پر ایک خاص مسکراہٹ تھی جس میں ایک خاص مشکوکیت بھی شامل تھی، آج تک وہ ان کے چہرے پر موجود ہے۔ بیرونی اور اندرونی حالات پر مکمل کنٹرول ہے۔

راولپنڈی میں اپنی بیگم قرۃ العین جن کے ساتھ انہوں نے اپنا سفر سن 82 میں شروع کیا تھا، ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔ دو بیٹیوں شیما اور ایمن اور بیٹے اسامہ کے ساتھ ایک نہایت پر اطمینان زندگی گزار رہے ہیں۔ چونکہ ایک اچھے فوجی افسر کی طرح بیرونی اور اندرونی حالات سے نمٹنا جانتے ہیں اسی لئے باہر فوجی افسر اور گھر میں سپاہی بنے رہتے ہیں۔ اور بیگم قرۃ العین کے آگے کبھی سپاہی سے زیادہ ترقی کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اگلے مورچوں پر لڑائی میں سپاہی ہی کو جان دینی ہوتی ہے اور وہ یہ قربانی دے کر ایسے درجے پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ زندہ رہیں جمال شاہد چاہے سپاہی ہو یا جنرل، اس نے اپنی انکساری، محبت، محنت اور اخلاق سے جو کچھ زندگی میں حاصل کیا ہے، وہ تمام NEDIANS کے لئے فخر ہے۔

جمال۔ تم NED کا کمال ہو، اور Batch 78 کی شان۔

☆☆☆

نیڈا کا ستار

عارف ستار

جون1962 میں عبدالستار اور اختر النساء کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے اس کا نام عارف رکھا جاتا ہے یہی بیٹا بڑا ہو کر دوستوں میں عارف ستار کہلایا۔ یہ کراچی کا بیٹا ہے، تعلیم سینٹ پیٹرک اسکول اور پھر ڈی جے کالج سے حاصل کی اور پھر قسمت NED لے آئی۔ یہاں سے سن 86 میں میکینیکل انجینئر نگ میں ڈگری لی۔ ان ہی کے Batch mate سروش لودھی سول اور صفوان شاہ الیکٹریکل میں ایک ہی وقت میں اپنے اپنے پر نکال رہے تھے۔

سن1991 میں ثمینہ سے شادی کی اور آج تین بچوں کے والدین ہیں، ندا، ثناء اور معاذ۔ آج تیس سال شادی کو ہو گئے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ یہ کل ہی کی بات لگتی ہے۔ یہ بھی سنا ہے کہ اگر بیوی اچھی مل جائے تو ہر بات کل ہی کی لگتی ہے۔

سن1996 میں کینیڈا آئے، سات سال ٹیکنالوجی کنسلٹنٹ رہے پھر امریکہ کی محبت میں گرفتار ہوئے اور گزشتہ اٹھارہ (18) سال سے مشہور کمپنی فینی وے سے منسلک ہیں اور ڈائریکٹر بن چکے ہیں۔ ان کی اس کتاب میں شمولیت ان کی واشنگٹن ڈی سی میں NED السنائی نیڈا کا قیام ہے۔ واشنگٹن ڈی سی میں NED کی فلاح کے لئے ہر وقت سرگرم ہیں۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر رشتوں میں اخلاص ہو تو وہ انسان کو پارس بنا دیتا ہے، وہ چاہے خانگی زندگی ہو یا عملی زندگی۔ آپ ترقی کرتے ہی جاتے ہیں۔ عارف ستار اس کی عملی مثال ہیں۔

☆☆☆

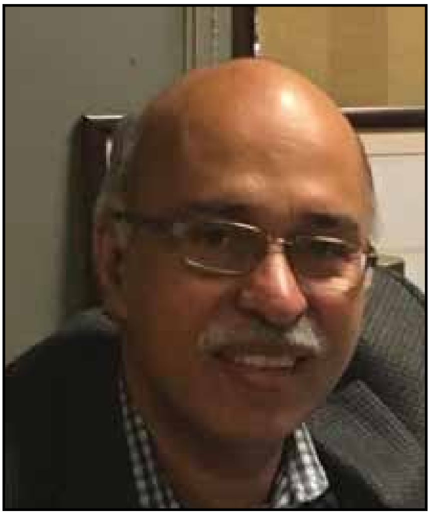

Arif Sattar

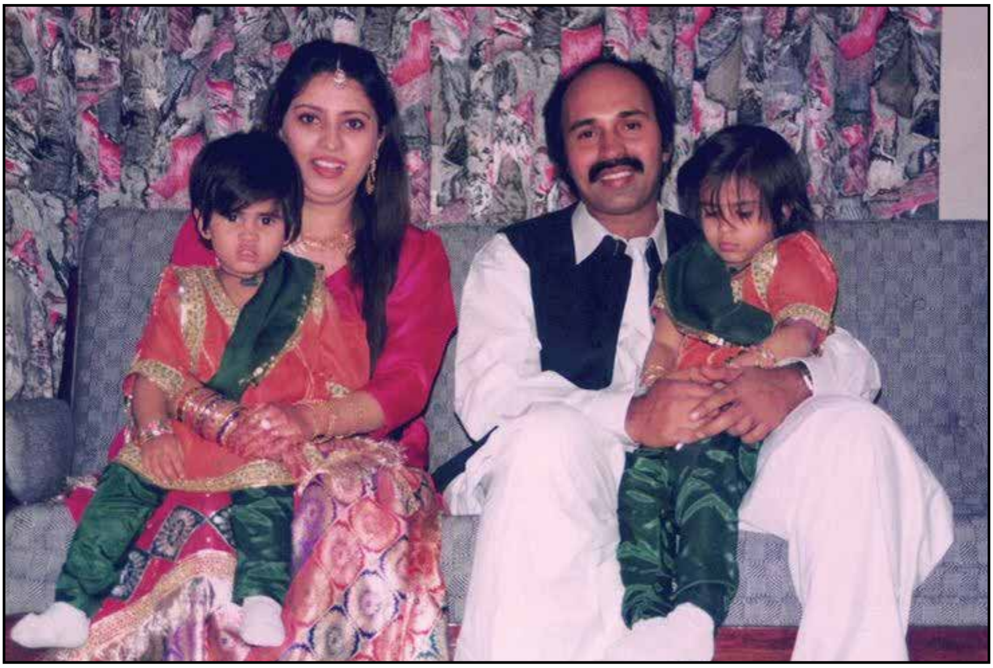

شجرِ سایہ دار

عبدالکریم طائی

عبدالکریم طائی میرا بھائی بھی ہے اور میرا دوست بھی۔ میرا راز دار بھی ہے اور میرا ہمسفر بھی۔
ہم دونوں نے سن 78 میں سول انجینئرنگ کی ڈگری لی ہم دونوں کے پاس ایک منفرد اعزاز ہے۔ یہ کلاس کا قابل ترین اور ذہین ترین اور میں نکما ترین طالبعلم تھا۔ کیونکہ سائنس کا اصول ہے کہ **Opposite poles attract each other**۔اسی لئے ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف کھنچتے چلے گئے اور آج پینتالیس (45) سال بعد بھی ہم نہ صرف دوست ہیں بلکہ ایک خاندان بھی جو اپنی اپنی فیملی سمیت ایک دوسرے کے گھروں میں ٹھیرتے ہیں۔

کریم طائی ایک ایسے گھرانے کے چشم وچراغ ہیں جہاں پانچ میں سے چار بھائی نہ صرف انجینئر بنے بلکہ سب سول انجینئر۔ خالد طائی اشرف حبیب اللہ کے ہم جماعت ہیں، پھر کریم طائی، محمود طائی، یوسف طائی اور ایک بھائی باغی ہوکر ڈاکٹر بن گیا، صدیق طائی۔ گویا کہ ایک طائی انڈسٹری تھی جو کہ کراچی کے ایک گھر میں پل رہی تھی۔ آج اگر آپ ان کے خاندان کے مشترکہ تجربے کو شامل کریں تو صرف گھر میں ایک سو ستر (170) سال کا سول انجینئرنگ کا تجربہ موجود ہے۔

کریم طائی کو میں شجرِ سایہ دار اسلئے کہتا ہوں کہ ساری انجینئرنگ کے دوران امتحان سے تین ماہ پہلے ہم چار چھ دوست اس میں رحمٰن پٹیل، عبدالقادر، یسین سایا، افسر علیم ہوتے تھے، کمبائن اسٹڈی کرتے تھے اور ان کے گھر والوں کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ ہمارے لئے چائے اور ناشتے کا انتظام کریں اور اکثر کھانے کا

بھی۔ان کی ماں اور بہنوں کے ظرف کو داد دینے کو دل چاہتا ہے کہ چار سال کی خدمت انہوں نے انجام دی۔ جو آج بھی کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

کریم نے سن 78 میں انجینئر نگ کی اور دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ذہین اتنے تھے کہ روزمرہ کے مسائل بھی انجینئر نگ Equation سے حل کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ NED کے پانچ سال کا قیام ان کی زندگی کا گولڈن پیریڈ ہے۔ اور معصومیت میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے دوستوں کا حلقہ آج بھی ان کے بہترین دوستوں میں شامل ہوتا ہے جس میں میں بھی شامل ہوں۔ NED کے فوراً بعد ماسٹرز کے لئے کیلی فورنیا آجاتے ہیں اور سن 82 میں واپس کراچی۔

یہاں 83 میں ان کی نہایت حلیم خاتون حلیمہ سے شادی کردی جاتی ہے۔ اور بادشاہ اور ملکہ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حلیمہ میرے خاندان، میرے بچوں اور میرے بہن بھائیوں کے لئے محبت کی ایک شاندار مثال ہے جو ایک آواز پر سب کے لئے موجود ہوتی ہیں۔

پیشہ ورانہ سطح پر کنسلٹنسی فرم طائی ایسوسی ایٹ شروع کرتے ہیں اور اس میں کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد سن 80 میں آباد یعنی بلڈرز کی ایسوسی ایشن کے ریجنل چیئرمین بنتے ہیں اور یہاں سے ان کا سیاسی کریم طائی کا وجود عمل میں آتا ہے اور پھر سن 95 میں آباد کے چیئرمین اور 97 میں پرائم منسٹرز کنسٹرکشن کمیٹی کے چیئرمین۔ آباد کے دنوں میں سندھ کے کرتا دھرتاؤں کی دھمکیاں بھی برداشت کیں لیکن ان کا بھرپور مقابلہ متانت کے ساتھ کیا۔

کریم طائی نے پاکستان کے لئے ایک ہاؤسنگ پالیسی بنائی۔ جو کہ فیڈرل کیبنٹ نے منظور بھی کرلی۔ اور آج تک طائی رپورٹ کہلاتی ہے لیکن اس کے بعد وزراء، بیوروکریٹس اور کرتا دھرتا اپنے مالی مفاد کے ساتھ سامنے آگئے اور کریم طائی کے لئے پاکستان میں رہنا مشکل کردیا۔ یہ اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہتے ہیں کہ ہمارے سسٹم میں آپ سسٹم کی خرابی کے ساتھ چل کر اپنا شیئر تو لے سکتے ہیں، لیکن سسٹم کو صحیح کرنے میں کوئی آپ کا ساتھ نہیں دیتا۔

اسی لئے 2000 میں کینیڈا آگئے اور کیونکہ یہ اپنے بچوں کو ایک کرپٹ سسٹم کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔ عرصے سے ہوسٹن میں اپنے خاندان کے ساتھ مقیم ہیں۔ چار بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ بڑا بیٹا حبیب طائی نے سول انجینئر نگ میں ماسٹرز کیا ہے اور یہ بزنس میں پارٹنر بھی ہے، دوسرا بیٹا فیصل ڈاکٹر ہے، سائیکیٹرک کا۔ مہک بیٹی بی ایس کیا ہے اور تیسرا بیٹا حاتم طائی نے انجینئر نگ اور

اب قانون کی تعلیم حاصل کررہا ہے۔اور سب سے چھوٹا بیٹا میڈیکل اسکول میں ہے۔

کریم طائی نے اپنے دوستوں کو پڑھانے،اور کھلانے اور پروان چڑھانے کا جو بیڑہ آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے اٹھایا تھا،اللہ نے اس کا اجرایسے دیا ہے کہ تمام بچے نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اوروں کا تو نہیں معلوم لیکن میرا انجینئرنگ میں پاس ہونا ناممکن تھا،اگر مجھے کریم طائی نہ پڑھاتا اور اکثر ہر امتحان میں میرے آگے نہ بیٹھتا۔اسی لئے میرے خاکے کا عنوان ہے،شجرِ سایہ دار عبدالکریم طائی۔

☆☆☆

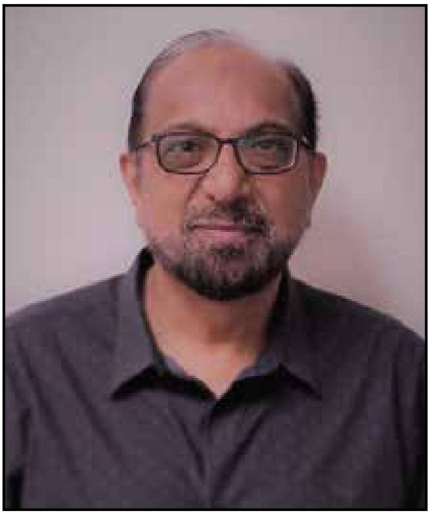

Abdul Karim Tai

ایک تھا سردار

سردار حنیف

NED کے سابق طلبہ پر کتاب لکھی جائے اور سردار حنیف کا تذکرہ نہ ہو، یہ ایسے ہی ہے جیسے دھوپ نکلی ہو اور آپ کہیں کہ اندھیرا ہے۔ بارش ہو رہی ہو اور آپ کہیں کہ سخت حبس ہے۔ سردار حنیف کی ان طالبعلموں کی زندگی پر گہری چھاپ ہے، جو کہ 74 سے 78 اور اس کے بعد بھی NED کا حصہ بنے۔

74 سے 78 کا زمانہ سردار حنیف کا زمانہ ہے، 74 سے 78 کا دور سردار حنیف کا دور ہے اور 74 سے 78 کا تذکرہ سردار حنیف کے بغیر نامکمل۔ سردار حنیف ایک دراز قد، گورا چٹا، پٹھان خون جو کہ طلبا و طالبات میں یکساں مقبول۔ جہاں جائے، جہاں کھڑا ہو جائے، اپنے گرد ہجوم اکٹھا کر لے، مخالفین کی گفتگو اور نہایت سنجیدہ باتوں کو بذلہ سنجی اور قہقہے میں اڑا دے۔ پی ایس ایف کی سیاست میں اور پروگریسو کی سیاست میں NED کی سیاست سردار حنیف کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہے۔

75 سے 78 کی یونین کے جنرل سیکرٹری، اور ہر آنے والے کے آئیڈیل اور روشنی کا ایک ایسا مینار، ایسا طالبعلم NED نے پیدا نہیں کیا۔ سردار میرا دوست، میری یونین کا ساتھی اور میرا بھائی ہے۔ سن 78 میں مکینکل انجینئرنگ کرتا ہے اور طلبہ سیاست کے بعد عملی سیاست میں بھی اپنے آپ کو آزماتا ہے، گرفتار ہوتا ہے، جیل جاتا ہے۔ پھر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ امریکہ منتقل ہو جاتا ہے۔

امریکہ سے اکیلا واپس آتا ہے اور ایک نیا سردار حنیف پیدا ہوتا ہے۔ ایک تبلیغی سردار حنیف، یہاں سے دنیا کے رشتے کمزور، اللہ سے رشتے مضبوط ہونا شروع ہوتے ہیں۔ دنیاداری سے بیزاری، دوستوں سے دوری، خاندان سے اختلاف سردار حنیف کو اکیلا کر دیتے ہیں۔ لیکن آپ آج بھی باربی کیو ٹونائٹ جائیں تو

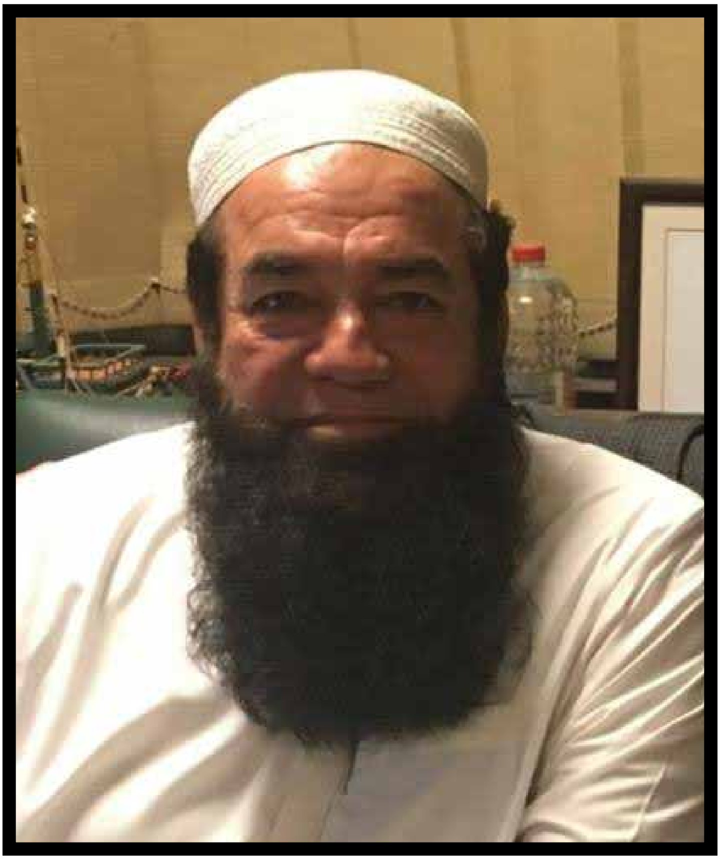

Sardar Hanif

وہی سردار حنیف اپنے دوستوں سے ہنستا ہوا ملتا ہے لیکن خود کسی سے رابطہ نہیں کرتا۔ اس کا اوڑھنا بچھونا باربی کیو اور اللہ کی یاد کو سینے سے لگائے رکھنا ہے۔

سردار کا یہ خاکہ میں اس کی اجازت کے بغیر شائع کر رہا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اجازت دے گا نہیں اور اس کے منع کرنے پر میری ہمت نہیں ہوگی، اسے چھاپنے کی۔ کیونکہ میں اللہ والوں سے بہت ڈرتا ہوں۔

اگر کسی کو بڑا انسان کہا جائے تو صرف ایک ہی نام ذہن میں آتا ہے، سردار حنیف، جو کہ گمنامی کے باوجود ہر NEDIAN کو یاد ہے، سردار جہاں رہو، خوش رہو۔

☆☆☆

انجینئرنگ کا فخر

سیما انصاری

سیما انصاری ہمارے زمانہ طالبعلمی کا وہ ہونہار ستارہ ہیں، جن کی روشنی ہمارے پورے تعلیمی زمانے میں اوراس کے بعد بھی آج تک انجینئرنگ کی دنیا میں روشنی بن کر پھیلی ہوئی ہے۔ جو کہ آگے چل کر سیما علیم بھی کہلائیں۔ کلاس روم کی پڑھائی ہو یا لائبریری کی کتابیں، اساتذہ سے میٹنگ ہو یا انگریزی مباحثوں کا میدان، سیما نے ہر میدان میں اپنے آپ کو منوایا ہے۔ NED کی نمائندگی کرتے ہوئے شاہ جمشید جامی اور آصف رضوی کے ساتھ ان گنت انگریزی مباحثوں میں حصہ لیا اور انعامات اور ٹرافیوں کے انبار لگا دیئے اور NED کی تاریخ کا حصہ بن گئیں۔

تعلیمی محاذ پر پہلے سال سے آخری سال تک اول پوزیشن حاصل کی، ذرا قابلیت تو دیکھیں، میٹرک میں پورے کراچی میں تیسری پوزیشن اور گولڈ میڈل اور ایچ ایس سی کے لئے اسکالرشپ، ایف اسی سی میں پورے کراچی میں پہلی پوزیشن اور گولڈ میڈل اور میرٹ اسکالرشپ برائے انجینئرنگ۔ انجینئرنگ میں تمام سالوں میں اول آئیں اور فائنل ائیر میں پہلی پوزیشن اور گولڈ میڈل۔ اور پوسٹ گریجویشن میں قائداعظم اسکالرشپ۔

اتنی کامیابیوں کے باوجود شخصی طور پر ایک ملنسار اور اچھی خاتون جنہیں میں بلاشبہ NED کا فخر کہتا ہوں۔ NED سے نکل کر سسٹم انجینئرنگ میں امپریل کالج لندن سے ماسٹرز اور وہیں سے ڈاکٹریٹ یعنی پی ایچ ڈی کیا۔

اب یہ سیما علیم سے ڈاکٹر سیما علیم بن چکی تھیں۔ پی ایچ ڈی کے بعد مختلف ایجنسیز اور اداروں میں

Seema Ansari

کام کیا۔ پاکستان میں نیس پاک اور دنیا کے دیگر مما لک میں مختلف انجینئر نگ کمپنیوں کے ساتھ برطانیہ، امریکہ ،کینیڈا اور یو اے ای شامل ہیں اپنی خدمات دیتی رہیں، یو ایس ایڈ کے ساتھ ایک انفرا اسٹرکچر ایڈوائزر کی حیثیت سے ریٹائر ہو چکی ہیں اور اب امپریل کالج لندن کی اعزازی فیلو ہیں۔

سیما کا ایک اہم کارنامہ ان کا سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کا ٹیکنیکل ایڈوائزر اور چیئر پرسن پرائم منسٹرز پروگرام آفس ہونا ہے۔ جو کہ ان کے دونوں ادوار میں رہیں۔ ان کی ذمہ داریوں میں کراچی کے جناح ٹرمینل کا انفرا اسٹرکچر ڈیولپمنٹ اور کراچی ماس ٹرانزٹ شامل ہیں۔ سیما کہتی ہیں کہ ان کے وزیر اعظم ہاؤس کے پروگراموں میں بہترین اور دل سے قریب کراچی لائیٹ ریل ٹرانزٹ منصوبہ تھا جس پر انہوں نے نہایت محنت سے 18 ماہ کام کیا ایک بین الاقوامی کنسورشیم سے جس کی قیادت ایک کینیڈین کمپنی کر رہی تھی، اس کے ساتھ مل کر یہ کام کیا۔ نیشنل ماس ٹرانزٹ اتھارٹی قائم ہوئی اور سیما انصاری کو اس کا پہلا چیئر پرسن بنایا گیا۔

ان کے چیئر پرسن منتخب ہونے کے بعد اس کی تعمیر کے لئے بین الاقوامی معاہدہ ہوگیا اور گراؤنڈ بریکنگ۔ لیکن سن 1996 میں بینظیر کی حکومت برطرف کردی گئی، معاہدہ منسوخ ہوگیا اور تیس سال بعد بھی کراچی ٹرانسپورٹ کے ایک بہتر نظام سے محروم ہے۔ جبکہ اس سے بہت پیچھے رہ جانے والے بنکاک ، دہلی اور دوسرے شہر اس نظام کو اپنا کر اپنے ٹرانسپورٹ کے مسائل حل کر کے بہت آگے نکل چکے ہیں۔

یہ کہتی ہیں کہ وزیر اعظم بینظیر کے ساتھ کام کرنا ان کی زندگی کا بہترین حصہ ہے۔ حالانکہ اس میں کافی محنت کرنا پڑی لیکن یہ خوش ہیں کہ انہیں حکومت کی پالیسیوں کو سمجھنے کا موقع ملا اور ملکی ترقی میں سیاست کیا ہوتی ہے اس کا بھی اندازہ ہوا۔ لیکن یہ خوش ہیں کہ زندگی میں انہیں یہ موقع ملا کہ وہ انجینئر نگ، پلاننگ اور پالیسی میکنگ کو بہتر طریقے سے سمجھ سکیں۔

سیما بلاشبہ NED کے ہر طالبعلم کے لئے عموماً اور لڑکیوں کے لئے خصوصاً ایک ایسی مثال ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ خواتین عملی زندگی میں کسی طور پر مردوں سے پیچھے نہیں۔ بلکہ وہ اپنی قابلیت، محنت اور تجربے سے دنیا کو Lead بھی کر سکتی ہیں۔ بلاشبہ ڈاکٹر سیما علیم انجینئر نگ اور NED کا فخر ہیں۔

☆☆☆

آئی ٹی کا بادشاہ اور سُروں کا میر

شاہد میر

آپ اس خاکہ کے عنوان سے یقیناً پریشان ہوں گے کہ انجینئرز کی محفل میں سروں کا راگ کس نے چھیڑ دیا۔ کہتے ہیں کہ رقص اعضاء کی شاعری اور سنگیت روح کی غذا ہوتی ہے۔فنون لطیفہ کی جتنی اصناف ہیں، وہ آپ کی طبیعت میں نرمی، مزاج میں گداز، اور دل میں نرمی بھی پیدا کرتی ہیں۔ میں جس شخصیت کا خاکہ لکھنے جارہا ہوں، وہ ہے تو ہمارا آپ جیسا انجینئر ہی، لیکن انجینئر کے ساتھ ساتھ ہرفن مولا بھی ہے۔

پاکستان سافٹ ویئر بورڈ کا بانی صدر، بینظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کا ایڈوائزر، آئی ٹی پالیسی فریم ورک کا بانی اور ایک نہایت کامیاب بزنس مین۔لیکن اس سے کہیں زیادہ مارشل آرٹ کا چمپئن بلیک بیلٹ ہولڈر اور پھر سروں کی دنیا کا میر۔ ہم اور آپ اس شخص کو شاہد میر کے نام سے جانتے ہیں۔ شاہد میر نے سن 78 میں NED سے الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈگری لی اور سن 79 میں نائلہ میر سے شادی کی۔ان کے تین بچے ہیں، جہانگیر میر، عائشہ میر اور ہمایوں میر۔ جواللہ نے ان کے گھر میں نعمت کے طور پر اتارے۔انجینئرنگ میں اوج کمال پر پہنچنے کے باوجود طبیعت کی بے چینی نے بیٹھنے نہ دیا اور جب پروفیشنلی اپنا نام کما لیا تو اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے جنون کو بھی نہ چھوڑا۔ گولف، شکار، گھڑ سواری، ہیوی موٹر سائیکل، مارشل آرٹ، بلیک بیلٹ ہولڈر، موسیقی، گائیکی، کمپوزنگ اور آخر میں اداکاری کی طرف بھی نکل گئے۔

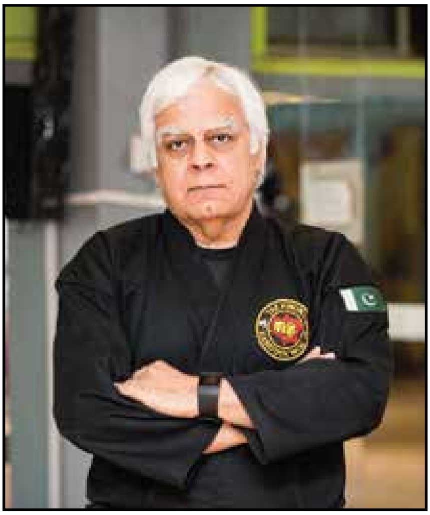

Shahid Mir

ایک فلم میں ماہرہ خان کے ساتھ جج کا کردار بھی ادا کیا۔فلم کا نام تھا ''ورنہ'' اور ہدایت کار تھے، مشہور ٹی وی پروڈیوسر شعیب منصور۔اپنے قریبی دوستوں میں کہتے ہیں کہ یہ رول وہ دوبارہ بھی کسی فلم میں بھی کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ ملزمہ ماہرہ خان ہی ہو۔لگتا ہے کہ شاہد میر ایک فلمی کردار ہے، جو دیکھتے کچھ اور ہیں، کرتے کچھ اور ہیں۔آج سے چالیس سال پہلے شاہد نے بھی نہیں سوچا ہوگا کہ انجینئرنگ کے بعد وہ تعلیم کے ساتھ ان شعبوں میں بھی نام پیدا کریں گے جہاں اکثر لوگوں کے داخل ہونے سے پر جلتے ہیں۔اگر انسان میں کچھ کرنے کی لگن ہو تو تعلیم، پروفیشنل ازم، گھر بار کی ذمہ داریوں کے باوجود وہ ایسی شاہراہ پر نکل ہی جاتا ہے جو اس کے دل کی آواز ہو اور شوق کی تسکین بھی۔

آج شاہد میر ایک کلاسیکل گلوکار کی طرح پرائیوٹ محفلیں سجاتے ہیں، طلبہ کو مارشل آرٹ کی ٹریننگ دیتے ہیں، مختلف جامعات میں آئی ٹی کے لیکچر بھی۔اپنے بچوں کو بھی آزادی دی ہے کہ میوزک انڈسٹری میں اپنا نام پیدا کریں۔ہمایوں میر Drumer ہے اور اپنا بینڈ Arish کے نام سے چلاتا ہے اور جہانگیر میر ایک بہترین گلوکار اور نغمہ نگار۔

میں شاہد کی بیگم نائلہ میر سے ذاتی طور پر واقف نہیں ہوں، لیکن ان کے گھر کی جو آمیزش یا combination ہے، اس کو دیکھ کر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نائلہ ایک جنتی خاتون ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں گھر میں ہر وقت ڈرم بج رہا ہو اور شوہر ہر وقت راگ الاپے اور وہ بھی پکے راگ۔اور ایسے میں اگر بیوی خوش رہے اور جیسا کہ تصویروں سے لگتا ہے کہ بہت خوش رہتی ہے تو یقینی طور پر ایسی خاتون جنتی خاتون ہوتی ہے اور شاہد کو ہم Batch78 کی طرف سے ایک جنتی بیوی ملنے کی وجہ سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆☆☆

بیوروکریٹ اور انجینئر

شہزاد قاسم

ہمارا دوست شہزاد قاسم ہمارے ہی Batch 78 کا ساتھی ہے، مکینکل انجینئرنگ میں پاس کیا NED سے پہلے کیڈٹ کالج کوہاٹ اور 71-70 کے بہترین کیڈٹ کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ پھر انٹرمیڈیٹ میں پورے پشاور میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ کیڈٹ کالج کی تربیت نے طبیعت میں بلا کا ڈسپلن پیدا کیا جو آگے چل کر ان کی زندگی میں کامیابی کے دروازے کھولتا چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ کامیاب انسان ہونے کے لئے آپ کو اچھا بیٹا، اچھا شوہر اور اچھا باپ ہونا ضروری ہے لیکن اگر اس میں ڈسپلن بھی شامل ہو جائے، پھر آدمی کامیاب سے بہت کامیاب ہو جاتا ہے اور یہی کچھ شہزاد کے ساتھ بھی ہوا۔ والد صاحب چونکہ فوج سے بریگیڈیر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تو نظم وضبط ان کے گھر کا ایک خاص جزو تھا۔

کہتے ہیں کہ اچھی بیوی انسان کی زندگی میں خوشیاں اور کامیابیاں لاتی ہے اور اگر یہ ہو جائے تو انسان پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا۔ یہی شہزاد قاسم کے ساتھ ہوا۔ سن 79 میں امریکہ گئے اور یہاں ہی سن 80 میں فرح احمد سے شادی کی جو کہ ان کی زندگی کے چند اچھے فیصلوں میں ثابت ہوا۔ یونیورسٹی آف پنسلوینیا سے انجینئرنگ آف منجمنٹ میں ماسٹرز کیا۔ دنیا کی بڑی کمپنیوں میں کام کیا۔ اور آخر میں ایسی گلوبل پاور کمپنی میں آ گئے، جہاں یہ اعلیٰ ترین عہدے تک پہنچے اور یورپ، افریقہ اور مڈل ایسٹ کے صدر بنا دیئے گئے۔

2007 میں اپنی کمپنی کھولی اور دو سو ملین ڈالر کی پرائیوٹ لیکوی ڈٹی سے اسے خوب چلایا اور یہی

Shehzad Qasim

کمپنی 2011 میں فروخت کردی اور 2018 میں عمران خان نے اپنی حکومت میں انہیں ایڈوائزر کا عہدہ دیا، جو کہ وزیر مملکت برائے پاور اور منرل کہلایا۔

یہ ہمارے Batch کے پہلے اور شاید آخری فرد ہیں جو وزیر مملکت کے عہدے پر اپنی قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر پہنچے۔ اور دو سال کی سخت محنت کے بعد 2020 میں مستعفی ہو گئے کیونکہ ان کے خیال میں کچھ عناصر ایسے ہیں جو کہ ملک میں ''اسٹیٹس کو'' نہیں توڑنا چاہتے۔ ان کے اس فیصلے سے عمران خان کو افسوس اور بیگم فرح اور ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کو بہت خوشی ہوئی کیونکہ یہ اب خاندان کو ٹائم دے سکتے تھے۔

شہزاد قاسم کی مثال ہر اس شخص کے لئے مشعل راہ ہے، جو کہ اپنی محنت ڈسپلن اور قابلیت سے اپنی جگہ بناتے ہیں اور دنیا میں اپنا، NED کا اور ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔ شہزاد ہمارے Batch 78 کا شہزادہ ہیں۔

☆☆☆

ایک پُرانا چاول

محمّد فاروق عاربی

کراچی میں تعلیمی اور کاروباری دنیا میں جہاں میمن برادری کا ایک خاص مقام ہے، وہاں ہی فراخ دلی دوسروں کی امداد اور مشکل وقت میں دوست کے ساتھ کھڑے ہو جانے میں بھی میمن برادری کا ایک نام ہے۔ ایسے ہی ایک گھرانے میں سن 45 میں عبدالستار عاربی مانا ودر اسٹیٹ، گجرات سے سندھ کے شہر جیکب آباد منتقل ہوتے ہیں۔ اور چاول کا کاروبار شروع کرتے ہیں۔

ایسے ہی گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے، جس کا نام فاروق عاربی رکھا جاتا ہے۔ ان کا کنبہ دو اور بھائیوں اور ایک بہن پر مشتمل ہے۔ یہ عاربی دیگ کا وہ چاول ہے، جن کے کسی بھی دانے کو دیکھ کر پوری دیگ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فاروق کراچی ہی میں پانچویں جماعت تک گجراتی اسکول میں پڑھتے اور پھر سن 73 میں شاہ لطیف بھٹائی اسکول سے میٹرک اور سن 75 میں ڈی جے سائنس کالج سے انٹر کر کے NED آجاتے ہیں۔ یہاں سے سن 81 میں انجینئرنگ کرتے ہیں اور پھر سن 82 میں یونیورسٹی آف مشی گن اینڈ آرمر چلے جاتے ہیں جہاں سے اسٹرکچرل انجینئرنگ میں ماسٹرز کرتے ہیں۔

سن 83 میں عتیقہ نامی خاتون سے شادی کرتے ہیں اور نیس پاک میں نوکری بھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی کنسلٹنسی فرم بھی چلاتے ہیں۔ اس کے بعد فاروق عاربی لبرل سے مولوی بننا شروع ہوتا ہے۔ وہ میمن ہی کیا، جو مذہب کی طرف راغب نہ ہو۔ کچھ عرصے بعد انجینئرنگ کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور ٹیکسٹائیل کی صنعت میں آجاتے ہیں جہاں میمنوں کی اکثریت ہے۔

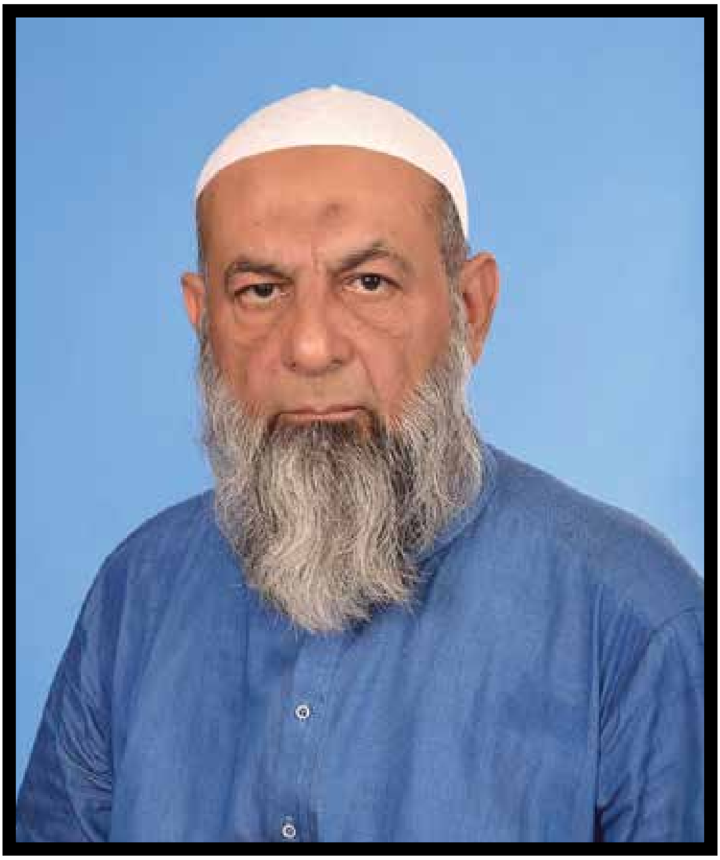

Farooq Arabi

سوشل سیکٹر میں پاکستان انجینئرنگ کونسل کا الیکشن ہو یا زمانہ طالبعلمی میں NED کی یونین ہر جگہ آگے آگے نظر آتے ہیں۔ آج کل انسٹیٹیوٹ آف انجینئرز کے وائس چیئر مین اور سیکرٹری ہیں۔ اگر آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ یہ الونائے سے ماسٹرز کئے ہوئے ہیں، تو آپ کو یہ سمجھنے میں مشکل نہیں ہوگی کہ یہ کسی قریبی مسجد کے ریذیڈنٹ مولانا ہیں۔

میمن کمیونٹی کے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، مانا ودر سردار گڑھ میمن جماعت کے چھ بار صدر منتخب ہو چکے ہیں اور آل پاکستان میمن فیڈریشن کی دو سالہ مدت کے لئے بلا مقابلہ فنانس سیکرٹری۔ جو ان کی مقبولیت اور ایمانداری کی دلیل ہے۔ فاروق عاربی کا آبائی پیشہ چاول کا کاروبار ہے اور یہ NED کی سیاست کا بھی ایک پرانا چاول ہیں۔

فاروق جیسے لوگ جس جگہ بھی ہوں گے، وہ انسانوں سے جڑے رہیں گے، خواہ وہ NED ہو، اپنا کاروبار ہو یا کوئی فلاحی ادارہ، ان کی یہی خصوصیت ان کو اس کتاب کا حصہ بناتی ہے یہ بلاشبہ ایک نایاب ہیرا ہیں۔ جس کو ہم اور آپ سب فاروق عاربی کے نام سے جانتے ہیں۔

☆☆☆

ہمارا اپنا

فرقان صدیقی

18 دسمبر 1952 کو غفران الحق صدیقی اور جمال آرا غفران کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوتا ہے، جس کا نام فرقان رکھا جاتا ہے۔فرقان ناظم آباد نمبر ایک میں کراچی کے ایک مڈل کلاس گھرانے میں پیدا ہوئے جو کبھی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا۔ان کے والدین نے ایک بڑے کنبے کے ساتھ جن میں ان کے اپنے والدین اور والدین کے چھ بھائی اور تین بہنیں بھی شامل تھیں، سن 51 میں بھوپال سے پاکستان ہجرت کی۔

مشترکہ خاندانی نظام میں جہاں بہت سارا پیار ملتا ہے، وہیں بہت سی آنکھیں ہر وقت بچوں پر نظر رکھے ہوئے ہوتی ہیں، لہٰذا شرارت کے مواقع کم ہی ملتے ہیں۔یہی کچھ فرقان اور ان سے دو سال بڑے عمران کے ساتھ ہوا، اور یہ گھورتی آنکھوں اور رعب دار آوازوں کے درمیان بڑے ہو گئے۔گھر میں سہم کر رہنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ شادی کے بعد کی زندگی میں ایڈجسٹ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

فرقان کا بچپن ناظم آباد کے ایک ایسے گھر میں گزرا، جو ریلیکس سنیما کے قریب تھا۔ایک کلومیٹر کے احاطے میں ابن صفی، صادقین اور اداکارہ زیبا رہائش پذیر تھیں۔ کہتے ہیں کہ انہیں یاد ہے کہ وحید مراد اپنی ڈاٹسن بلیو برڈ میں زیبا سے ملنے آتے تھے اور یہ چھپ چھپ کر انہیں دیکھتے تھے۔آپ غلط سمجھ رہے ہیں، وحید مراد کو نہیں، زیبا کو۔اس کے بعد محمد علی کا بھی آنا جانا ہو گیا، یوں جاسوسی، خطاطی اور رومانوی ماحول میں فرقان بڑے ہوتے گئے۔

اسکولنگ سینٹ پیٹرک اسکول اور پھر ڈی جے اور اس کے بعد NED آگئے۔اسکول کے زمانے میں فوٹوگرافر بننا چاہتے تھے اس کا جنون کی حد تک شوق تھا اسی لئے ڈی جے کالج کی فوٹوگرافک سوسائٹی میں

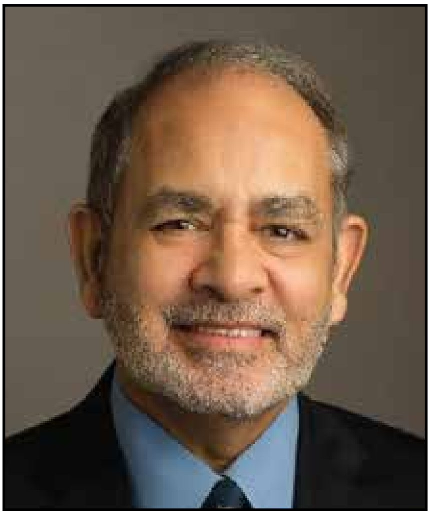

Firqan Siddiqui

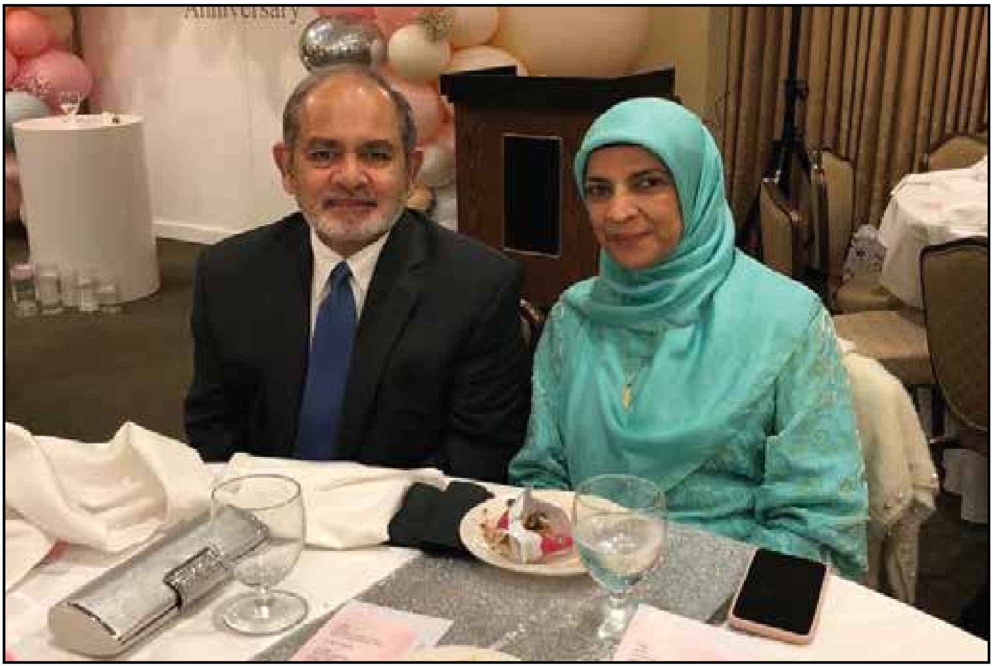

شامل ہوئے اور کالج کے لئے متعدد انعامات بھی جیتے۔

NED سے سن 78 میں میکینیکل انجینئرنگ کی سن 75 کی اسٹوڈینٹس یونین میں میرے ساتھ پبلی کیشن سیکرٹری بھی منتخب ہوئے اور انجینئرنگ کرتے ہی ماسٹرز کے لئے شکاگو آ گئے اور یہاں ایسے ہی NED کو بھول گئے اور ایک خاموش زندگی شروع کی۔ ایک نئی زندگی میں ڈاکٹر صبا کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ امریکہ کے ایک بہت بڑے ادارے میں عرصۂ دراز سے ایک نہایت اہم عہدے پر فائز ہیں۔ ہمیشہ سے بالٹی مور میں صبا اور اپنے بچوں سدرہ اور امان کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں سدرہ Lawyer اور امان ڈاکٹر ہیں۔ کہتے ہیں کہ امریکہ میں ڈاکٹر کے پاس کوئی مستقل Lawyer بھی ہونا چاہیئے۔ اسی لئے سدرہ ڈاکٹر صبا اور ڈاکٹر امان کے لئے ایک اہم اثاثہ ہے۔

فرقان نے قائدانہ صلاحیتیں پی ایس ایف کے پلیٹ فارم سے NED میں سیکھیں، ستمبر الیون کے بعد جس نے امریکہ میں تمام مسلمانوں کو ایک طرف کر دیا گیا تھا، انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک موومنٹ چلائی اور اس کے بعد مسلم کونسل ان اسٹیٹ آف میری لینڈ بنائی۔ پچھلے تیس سال سے فرقان اس ٹیم کا حصہ ہیں جو کہ ڈیزائن اور کنسٹرکشن کے لئے میری لینڈ کی سب سے بڑی مسجد، اسلامک سوسائٹی آف بالٹی مور سے منسلک ہے۔ سن 2016 میں امریکی صدر بارک اوباما نے مسجد کا دورہ کیا، اور مسلمانوں سے خطاب بھی کیا۔

آج کل امریکہ میں جاپان کے ماڈل پر بننے والی تیز رفتار ٹرین جو واشنگٹن سے نیویارک تک چلے گی کے پروجیکٹ ڈائریکٹر ہیں۔

ان کی اس کتاب میں شمولیت ان کا اپنے دوستوں کے لئے بالٹی مور میں دروازے کھلے رکھنا اور زمانۂ NED میں پی ایس ایف اور طلبہ کے لئے وہ خدمات ہیں جو ان کی تمام تر غیر حاضری کے باوجود یاد رکھی جائیں گی۔ فرقان میرا Batch mate بھی ہے اور میری یونین کا ساتھی بھی۔ کیا یہی خوبی اس کو اس کتاب میں جگہ نہیں دے گی کہ یہ آفتاب رضوی کا اپنا چہیتا ہے۔

☆☆☆

پروگریسیو کا مان

مبشرّ اسلم قدوائی

1968 کا زمانہ ہے، ایوب خان کے خلاف طلبہ کی تحریک اپنے زور وشور سے جاری ہے، مختلف کالجز میں اس دور حکومت میں طلبہ مطالبات کیلیئے تحریکیں چل رہی ہیں۔اس تحریک کی قیادت نیشنل اسٹوڈینٹس فیڈریشن یعنی این ایس ایف جو کہ اس وقت بائیں بازو کی ایک مضبوط طلبہ جماعت تھی، کر رہی ہے۔

ایسے میں ایک تعلیمی ادارے میں جسے جناح کالج کہتے ہیں، جو آج ایک یونیورسٹی بن چکی ہے، ایک پروگریسو یونین کامیاب ہوتی ہے اور اس کا صدر ایک ترقی پسند اور انقلابی مبشر اسلم کو منتخب کیا جاتا ہے۔جو کہ نہ صرف ان مظاہروں کی قیادت کر رہے ہیں، بلکہ پولیس کے ساتھ جھڑپوں میں گرفتار بھی ہوتے ہیں اور جیل بھی جاتے ہیں۔ یہ مبشر اسلم آگے چل کر مبشر اسلم قدوائی بنتا ہے۔اور NED کی اسٹوڈینٹس یونین، جو کہ پی ایس ایف کی یونین کہلائی، اس کا صدر بھی۔

مبشر سن 70 میں NED اولڈ کیمپس میں داخل ہوتے ہیں اور فوراً ہی اپنے تجربے کی بناء پر طلبہ سیاست کے کرتا دھرتا بن جاتے ہیں۔72 کے الیکشن میں پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ کی بنیاد ڈالی اور اسلامی جمعیت طلبہ کو جو کہ NED کو ایک مضبوط گڑھ سمجھتی تھی، شکست سے دوچار کیا۔یہی وہ زمانہ تھا، جب پی ایس ایف کے کرتا دھرتا سینئرز نے یہ سوچ لیا تھا کہ مبشر کی صلاحیتوں کو آگے چل کر استعمال کریں گے۔

اگلے سال پھر مطالبات کے لئے تحریک چلتی ہے اور تعلیمی ادارے بند کر دیئے جاتے ہیں۔طلبہ کا ایک سال ضائع ہوتا ہے اور پی ایس ایف اگلا الیکشن ہار جاتی ہے۔ یہ وہ وقت ہے، جب پارٹی کو موقع ملتا ہے کہ طلبہ کی صفوں میں دوبارہ متحرک ہو، سن 74 کے انتخاب میں پروگریسو کا پینل مبشر اسلم قدوائی کی قیادت میں

Mubashir Aslam

دوبارہ کامیاب ہوتا ہے۔مبشر صدر اور اقبال کھتری جنرل سیکرٹری منتخب ہوتے ہیں۔

ان کی قیادت میں یونین کے کامیاب کاموں میں NED کا نیو کیمپس میں شفٹ ہونا بھی شامل ہے۔جس کے بعد NED کو یونیورسٹی کا درجہ ملنے کی راہ ہموار ہوئی۔

یہ سب مبشر اسلم کا سیاسی پس منظر ہے، ایسے committed لوگ اگر پاکستان میں رہتے تو پاکستانی طلبہ کی سیاست کے گرو ثابت ہو سکتے تھے۔لیکن مڈل کلاس کے ہر شخص کا مسئلہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد فوری روزگار کا حصول ہے۔یہ بھی پہلے سی مین (Siemens) جاتے ہیں اور پھر تیس سال کے لئے سعودی عرب۔جہاں یہ سعودی الیکٹرک، سول ایوی ایشن اتھارٹی اور دیگر اداروں میں کام کر کے کراچی کے طلبہ کی سیاست یا پاکستان کی عملی سیاست سے دور ہو جاتے ہیں۔اور لوگ بھول جاتے ہیں کہ NED میں ایک ایسا انقلابی رہنما بھی تھا جس کا اپنا سیاسی تحریکوں میں شمولیت کا پس منظر بھی تھا۔اور جس کے تجربے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

تیس (30) سال سعودی عرب میں رہ کر 2009 میں کینیڈا آ جاتے ہیں اور اپنی بیگم، ایک بیٹا اور تین بیٹیوں کے ساتھ ایک پر اطمینان اور خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ان کے قریبی دوست کہتے ہیں کہ مبشر اسلم سے ہجرت کی ٹائمنگ میں غلطی ہو گئی۔جس عمر میں مغرب یعنی کینیڈا آنا چاہئے تھا، وہ سعودی عرب چلے گئے، حالانکہ اِس عمر میں سعودی عرب جا کر وہ اپنے ربّ سے زیادہ قریب ہو سکتے تھے۔

NED کی طلبہ سیاست میں ترقی پسند کردار کے بارے میں جب بھی لکھا جائے گا، مبشر اسلم کا نام اس میں سرفہرست ہو گا۔یقینی طور پر مبشر اسلم قدوائی کراچی کے پروگریسوز کا مان ہیں۔

☆☆☆

عوامی انسان

محمدؐ حسین

یہ مختصر خاکہ ایک ایسے شریر اور ذہین شخص کا ہے، جو کہ پی ایس ایف کی طلبہ سیاست کی صفوں میں بہت پیچھے سے آیا اور سب سے اگلی صف میں پہنچ گیا۔ اس شخص کا نام ہے، محمد حسین (Haseen)۔ بلا کا ذہین اور فطین، اپنے مخالفوں کا لطیفہ دو جملوں میں اس طرح اڑا دے جس طرح خود کش بمبار مجمع میں گھس کر اپنے آپ کو اڑا لیتا ہے۔ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے NED میں ایک مجمع اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے۔ NED کی اسٹوڈینٹس یونین میں پہلا جم خانہ سیکرٹری اور پھر جنرل سیکرٹری منتخب ہوا اور کامیابی کی نئی منزلیں طے کیں۔ فکری طور پر جیالا ہے، لیکن اُس دور کا جیالا جب کرپشن اس پارٹی کے نصاب کا لازمی حصہ نہیں تھا۔

عملی زندگی میں انجینئرنگ کے بعد فوج میں کیپٹن بھرتی ہوتا ہے اور پھر وہاں سے جلد ہی کیپٹن ہی کی حیثیت ہی سے ریٹائر ہو جاتا ہے۔ اس کے جلدی ریٹائر ہونے کی ایک وجہ اس کا خاندانی جیالا ہونا بھی ہے۔ میکینکل انجینئر ہیں اور کاسٹ انجینئرنگ میں مہارت رکھتے ہیں۔ ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ اسٹیٹ بینک نے ان کو بیمار شوگر انڈسٹری کے لئے Secretary for revival of sick sugar industry of Pakistan مقرر کیا۔ شوگر انڈسٹری پر ایک کتاب بھی لکھ چکے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ آج کے شوگر انڈسٹری کے بحران میں اس کتاب کا کوئی دخل نہیں۔

ان ہی کی اسٹوڈینٹس یونین کے زمانے میں NED میں مسجد کی تعمیر ہوئی اور کراچی کے طلبہ کے لئے داخلوں میں سو (100) سیٹوں کا اضافہ بھی۔ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ مکمل کراچی کا بیٹا ہے، پہلے اسکول کی تعلیم ہے، والد صاحب کراچی اور والدہ ان کے ساتھ وینکوور کینڈا میں رہتی ہیں۔ اپنے آپ کو دنیا کا خوش

Mohammad Haseen

قسمت ترین انسان سمجھتے ہیں۔جنہیں اپنے ماں باپ کی خدمت کا موقع ملا۔اور خصوصاً ماں کے بہت قریب ہیں اور اُن کی دعائیں ہر وقت اِن کو اپنے حصار میں رکھتی ہیں۔

محمد حسین ہر اس شخص کے لئے مثال ہے جو کہ سیلف میڈ یعنی خود ساختہ انسان ہے۔اللہ نے جو دیا، اس پر شکر اور جو نہیں دیا، وہ ان کا تھا ہی نہیں۔اس فلسفہ نے حسین کی زندگی کو اور حسین بنا دیا ہے۔

NED کے پی ایس ایف میں طلبہ سیاست کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی، مؤرخ محمد حسین کے نام کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔

☆☆☆

موروثی سیاست داں

محمد علی پاشا

محمد علی پاشا جب NED میں داخل ہوئے تو میں NED سے گریجویشن کرچکا تھا۔لیکن چونکہ یہ اسٹوڈینٹس یونین کے جنرل سیکرٹری تھے۔لہذا انہوں نے مجھے کسی فنکشن میں نظامت کے لئے بلایا۔اس ایک ملاقات میں محمد علی پاشا نے میرے ذہن پر ایسے انمٹ نقوش چھوڑے، جو آج تک میرے ذہن میں تازہ ہیں۔

محمد علی پاشا کراچی کے ایک معروف سیاستدان غفار پاشا کے فرزند ہیں۔غالباً سیاست کی سمجھ بوجھ اور ملنے میں لوگوں سے ایک خاص وضع داری انہوں نے اپنے والد سے سیکھی۔کیونکہ ان کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوتا تھا۔خواہ وہ ان کی پارٹی کا ہو یا ان کے نظریات کا نہ ہو۔محمد علی پاشا میں بھی یہ خوبی موجود ہے کہ وہ اپنے اور پرائے سب کو قریب رکھتے ہیں۔

NED کے سیاسی کیریئر میں پہلے سال یعنی نمائندہ کلاس، دوسرے سال لٹریری اینڈ ڈبیٹنگ سیکرٹری اور تیسرے سال اسٹوڈینٹس یونین کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ان کی اس برق رفتاری کو دیکھ کر ہی شاید ضیاء الحق نے اسٹوڈینٹس یونینز پر پابندی لگادی کیونکہ اس کے بعد انہیں صدر ہی بننا تھا اور ضیاء الحق اس عہدے پر کہیں بھی کسی کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔

یوں ان کا سیاسی سفر ختم ہوگیا اور سن 84 میں انہوں نے سول انجینئرنگ کی ڈگری لے لی۔ پہلے مینجنگ ڈائریکٹر ''ریڈیو پیجنگ سروسز''، پھر مینجنگ ڈائریکٹر ''ایف ایم ریڈیو اسٹیشن'' اور پھر ''فرسٹ ایور کیبل ٹی وی'' کے ایم ڈی بنے اور اسے کامیابی سے چلایا۔عرصے سے دبئی میں موجود ہیں، المنائی کی محفلوں میں خال

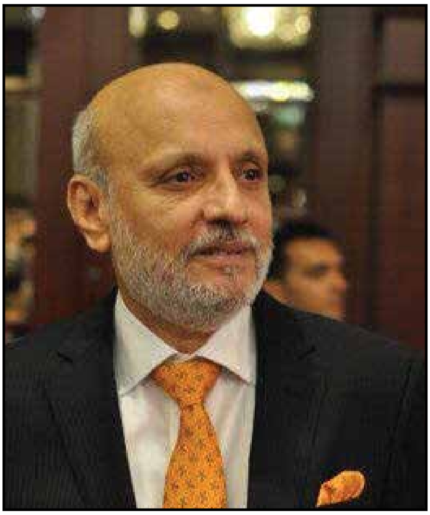

Mohd Ali Pasha

خال نظر آتے ہیں، دبئی میں ایک بہت بڑے ٹریڈنگ ہاؤس سے وابستہ ہیں۔

کاش محمد علی پاشا جیسے لوگوں کو پاکستانی سیاست میں پہنچنے کا موقع دیا جاتا تو سیاست کا منظر نامہ آج اتنا آلودہ یعنی polluted نہ ہوتا کیونکہ یہ ایک زمین سے اٹھنے والے موروثی سیاست کے خاندان کا حصہ تھا۔ کسی انگریز کی جوتیاں سیدھی کر کے خان، ملک یا گدی نشین نہیں تھے۔ جو کہ اپنے ہی خون کا سودا کر کے اعزاز بھی لیں اور حکومت بھی کریں، محمد علی پاشا یقیناً NED کا ایک موروثی سیاستدان ہے۔

☆☆☆

ایک انجینئر لکھاری

ندیم منظور

NED میں داخل ہونے والا انجینئر تو بن ہی جاتا ہے، لیکن اس خشک تعلیم کے دوران اگر کوئی اپنا ادبی ذوق نہ صرف برقرار رکھے بلکہ اس میں اضافہ بھی کرتا رہے تو ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے ۔ایک طالبعلم 81-1980 میں NED میں داخل ہوتا ہے، 85 میں انجینئرنگ کر کے نکل جاتا ہے۔ لیکن اس عرصے میں اپنے قلم کو کچھ اس طرح تراشتا ہے کہ آگے چل کر نہ صرف ایک اچھا مزاح نگار بلکہ صاحب کتاب بھی بن جاتا ہے۔ اسے ہم اور آپ ندیم منظور حسن کے نام سے جانتے ہیں۔

چونکہ مزاح نگار ہیں اسلئے اپنے تعارف میں کہتے ہیں کہ پیشۂ آبا سپاہ گری رہا ہوگا، لیکن نسلِ گزشتہ سے خانوادہ NED کی سول انجینئرنگ سے جڑا ہوا ہے۔ اور نسلِ آئندہ بھی اسی شجر کا حصہ ہے۔ گویا باپ، بیٹا اور پھر بیٹا NED کا حصہ ہیں۔ یہ بہت کم ہوگا کہ تین نسلیں NED میں پڑھیں ۔ ندیم کے والد نے سن 1958 میں انجینئرنگ کی، ندیم منظور نے سن 85 میں، ان کی بیٹی نے بھی NED سے گریجویشن 2014 میں کی اور سب سے چھوٹا بیٹا اس وقت NED سیکنڈ ائیر میں پڑھ رہا ہے۔ گویا NED سے ان کا حقیقتاً نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں۔

ہر ذہین آدمی کی طرح سیاست سے دلچسپی ہے، سی آر کے دو الیکشن لڑے اور دونوں میں کامیاب رہے۔ ان کے NED کے قیام کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ شیخ الجامعہ سروش حشمت لودھی اور وزیرِاعلیٰ سندھ مراد علی شاہ کے نہ صرف ہم جماعت ہیں بلکہ حلقۂ ارادت یعنی لنگوٹی حلقے میں بھی شامل ہیں۔ NED کی ننانوے سالہ تقریب میں ان کے ایک مضمون نے مجھے چونکا کر رکھ دیا۔ زبان وبیان پر مکمل عبور اور

Nadeem Manzoor

الفاظ کی وہ کاٹ کہ سننے والا سنتا رہ جائے۔

حبیب بینک کے شعبۂ تعمیرات میں سینئر وائس پریذیڈنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ طلبہ سیاست ہو، دوست ہوں یا ملازمت، اس نعرے کی گونج ہر طرف ہے، جو سی آر کے الیکشن میں لگا تھا کہ ہمیں منظور تمہیں منظور، ندیم منظور۔ ندیم منظور۔

میری دعا ہے کہ ندیم منظور اسی طرح لکھتے رہیں، ان موضوعات پر قلم اٹھائیں جو کہ دل کے زخموں کو مرہم فراہم کرتا ہے۔ اور اسی طرح اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں مسکراہٹ بکھیرتے رہیں۔ ندیم منظور یقیناً ایک بہترین انجینئر اور اس سے بہتر لکھاری ہیں۔

☆☆☆

باب سوم

ڈھونڈو گے اگر مُلکوں مُلکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

ؔ ڈھونڈو گے اگر مُلکوں مُلکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

Mom's boy

ابوالاسلام

آیئے، میں آپ کو ایسے قابلِ فخر NEDian سے ملواتا ہوں، جن کے خاندان میں انگریزی تعلیم، دادا قاضی ڈی احمد کے زمانے سے شروع ہوئی اور یہ واقعہ بھی سو سال پرانا ہے کیونکہ جب بیسویں صدی کا سورج طلوع ہورہا تھا تو برٹش انڈیا کے کلکتہ میں گورنمنٹ بیوروکریسی میں 1911 میں شامل ہوئے اور پھر 1947 میں پاکستان بننے کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ پاکستان آگئے۔ 1947 میں دیگر سرکاری ملازمین کی طرح آنکھوں میں خواب سجائے قاضی احمد صاحب پاکستان کی خدمت میں جٹ گئے اور پاکستان کواٹرز میں قیام کیا۔

ان کی والدہ کا تعلق دہلی سے تھا۔ تعلیم کی شوقین تھیں، صرف اٹھارہ برس کی عمر میں ان کی شادی ہوگئی جبکہ ان کے والد اس وقت بائیس سال کے تھے۔ یوں ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا لیکن لوحِ محفوظ میں یہ لکھا جاچکا تھا کہ ان کے ادھورے خواب ان ہی کی آنے والی نسل میں سے کوئی پورے کرے گا۔ یوں ان کے ہاں چھ اولادیں ہوئیں اور دوسرے نمبر پر ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے جس کا نام ابوالخیر امیر لاسلام رکھا گیا۔ جو کہ آنے والے وقتوں میں ابوالاسلام کہلایا اور یہی میرے خاکہ کا عنوان بھی ہے۔

پاکستان کے قیام کے اولین سال ہر آنے والے کے لئے مشقت اور مشکل کے سال تھے یہی کچھ ابوالاسلام کے والدین کے ساتھ بھی ہوا۔ اور زندگی کی گاڑی ایک رولر کوسٹر کی طرح اوپر نیچے ہوتی رہی اور ابوالاسلام پہلے کراچی پبلک اسکول، پھر ڈی جے کالج سے 75-1974 میں انٹرمیڈیٹ امتیازی نمبروں سے پاس کرتے ہیں اور پھر 1976 میں NED آجاتے ہیں۔ چونکہ خون مغربی بنگال کا تھا جو کہ ٹیگور اور

نذر لاسلام کی سرزمین ہے تو طلبہ سیاست میں جھکاؤ یقینی طور پر بائیں طرف تھا یعنی پی ایس ایف میں شامل ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ طلبہ سیاست میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے تعلیم پر کچھ اثر پڑا لیکن NED نے انہیں زندگی کو Balance کرنا سکھا دیا اور سیاست اور تعلیم کا توازن بحال کر دیا۔ 1981 میں سول انجینئرنگ میں پاس کیا، پہلی نوکری پورٹ قاسم میں جونیئر سول انجینئر کی حیثیت سے کی اور اس کی برتھ فائیو سے سیون پر کام کیا۔

1983 میں نیویارک آ گئے اور سٹی کالج آف نیویارک سے اسٹرکچرل انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا، امریکہ میں ماسٹرز کے اخراجات کا انتظام آسان کام نہیں ہوتا لیکن یہاں بھی ان کی ماں ان کے کام آئیں اور ماسٹرز کے لئے ایک بلاسود قرضے کا انتظام کیا جس کی بدولت یہ ماسٹرز کرنے کے قابل ہوئے۔ 1984 میں ماسٹرز، 1984 سے 1991 تک مختلف ملازمتیں۔ پھر زندگی نے ایک اور کروٹ لی اور 1991 میں اپنی کمپنی اے آئی انجینئرز قائم کی یعنی ابولاسلام انجینئرز اور اس کے بعد ابولاسلام نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

گزشتہ تیس (30) سے اپنی کمپنی چلا رہے ہیں اس سفر میں جتنے بھی چیلنجز آئے، ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا کیونکہ حالات سے لڑنا اور سرخرو ہونا، یہ اپنی ماں سے سیکھ چکے تھے۔ اسی دوران ان کی روبینہ سے شادی ہو گئی اور یہ زندگی اور کامیابی کے ایک ایسے سفر پر نکل جاتے ہیں۔ جہاں کامیابیاں ان کے قدم چومنے لگتی ہیں۔

اگر روبینہ اور ابولاسلام کو ایک ساتھ دیکھیں تو آپ کو یہ سمجھنے میں بالکل دیر نہیں لگے گی کہ ان دونوں نے زندگی کا سفر ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہی نہیں بلکہ گنگناتے ہوئے بھی طے کیا ہے۔ اللہ نے اس جوڑے کو دو خوبصورت اولادوں سے بھی نوازا ہے۔ بیٹا طارق جو کہ کولمبیا یونیورسٹی کا گریجوٹ ہے، ان ہی کی کمپنی میں آفیسر کی حیثیت سے کام کرتا ہے جبکہ بیٹی روبیا امریکہ کی ایک بڑی نان پروفٹ آرگنائزیشن میں کام کرتی ہے۔

NEDians کے محاذ پر ابولاسلام کی خدمات کسی سے کم نہیں، ہر محفل میں آگے آگے ہوتے ہیں اور نہ صرف دل کھول کر شریک ہوتے ہیں، بلکہ اپنا بٹوہ بھی ہر وقت NED کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ NEDIAN-NA اور NEDAANE کے بانی ممبران میں سے ہیں۔ ان کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ آج ان کی کمپنی میں دوسو پچاس افراد کام کرتے ہیں جن میں زیادہ تر NEDians ہیں۔ سوشل

Abul Islam

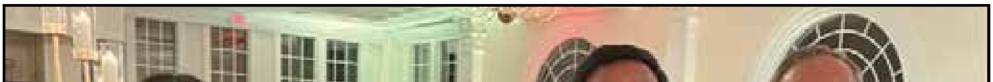

محاذ اکیڈمی آف انجینئرز اینڈ گرین ٹیکنالوجی کے بانی ہیں، مختلف کالجز اور اداروں کے بورڈ پر بھی ہیں۔

مجھے ابولاسلام کی دو چیزوں نے سب سے زیادہ متاثر کیا ،وہ اپنی نہایت بلند پرواز کے باوجود نظریں زمین پر رکھتے ہیں، انسان کو انسان سمجھتے ہیں اور نوجوان خون کو ٹریننگ دینے کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں۔ دوسری چیز یہ کہ اپنی ماں سے بے پناہ محبت اور عقیدت ہے۔ دنیا کے اگر کامیاب لوگوں کی فہرست بنائی جائے تو ایک چیز کامیاب لوگوں میں قدر مشترک ہوتی ہے کہ وہ اپنی ماں سے بہت محبت کرتے ہیں اور انہیں اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں۔ میں نے آج تک کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو اپنی ماں کے پاؤں چھوئے اور اسے کسی کا دست نگر ہونا پڑے۔ ابولاسلام کی مثال سے سیکھا جا سکتا ہے کہ ماں سے عقیدت، ماں سے محبت اور والدین کا خیال انسان کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیتا ہے۔ اور ابولاسلام کے ساتھ ایسا ہی ہوا، یہ رہتی دنیا تک اس بات پر فخر محسوس کریں گے کہ یہ **Mom's Boy** ہیں، ماں کے صرف قدموں کے نیچے ہی جنت نہیں، بلکہ مائیں مجسم جنت ہیں۔ جیو ابولاسلام۔۔۔ !!!

☆☆☆

جیوٹیک کا بے تاج بادشاہ

الکاظم منصور

NED نے جہاں پروگریسو اسٹوڈینٹس فرنٹ میں لاتعداد ایسے طلبہ پیدا کئے جن کے تذکرے کے بغیر NED کا ذکر نامکمل ہے ویسے ہی اس کی حریف اسلامی جمعیت طلبہ کے بھی کافی طلبہ ایسے ہیں، جن کا تذکرہ کئے بغیر اس کتاب کو مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سرفہرست نجیب ہارون، الطاف شکور (ان دونوں نے میری متعدد بار کوشش کے باوجود کتاب میں شمولیت میں دلچسپی ظاہر نہیں کی)، سلیم اظہر اور الکاظم منصور بھی شامل ہیں۔ مزاج چونکہ اسلامی تھا، اسلئے پہلے سال ہی اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت اختیار کی اور اسی پلیٹ فارم سے آرٹس سیکرٹری کا الیکشن بھی لڑا، لیکن پی ایس ایف کے آفتاب صدیقی سے الیکشن ہار گئے۔

15 جون 1959 کو بہاولپور میں مظفر احمد اشرف اور قدسیہ اشرف کے ہاں پیدا ہوئے۔ اسلام آباد ماڈل اسکول سے ابتدائی تعلیم اور پھر کینٹ پبلک اسکول کراچی سے میٹرک اور ڈی جے کالج سے ایف ایس سی امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور پھر NED آگئے اور جمعیت کی آنکھوں کا تارا بنے۔

جمعیت ہی کی تربیت تھی کہ زمانہ طالبعلمی میں اور اس کے بعد سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ جمعیت کی شوریٰ کا حصہ رہے اور عملی زندگی میں بھی پاکستان انجینئرنگ کونسل کے وائس چیئرمین اور ایک این جی او جس میں دوسو سے زائد انجینئرز ہیں، پاکستان انجینئرز فورم کے نام سے چلا رہے ہیں۔

NED سے نکل کر لوزیانا اسٹیٹ یونیورسٹی سے جیوٹیکنیکل انجینئرنگ میں ماسٹرز کیا۔ اور اس کے بعد 2 اگست 1987 کو عظمیٰ منصور سے شادی ہوگئی۔ ماشاءاللہ تین بچوں کے والدین ہیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ بیٹے تعلیم یافتہ اور شادی شدہ جبکہ بیٹی ٹورنٹو کینیڈا میں یونیورسٹی آف ٹورنٹو کی طالبہ ہے۔ کہتے ہیں کہ

Al Kazim Mansoor

زندگی سے کوئی شکوہ نہیں، اللہ کا شکرادا کرتے ہیں کہ زندگی میں سوتے اور جاگتے میں جتنے خواب دیکھے، اللہ نے اس کی تعبیر مہیا کردی۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کو ایک نہایت شاندار زندگی کہتے ہیں۔ جہاں ان کے نام پر دو ہزار سے زیادہ پروجیکٹ ہیں جس میں قابل ذکر گوادر پورٹ، کوہاٹ ٹنل، انڈس ہائی وے، قراقرم ہائی ویز، 76 Stories KPT Tower، ریکوڈک گولڈ پروجیکٹ اور ایل این جی ٹرمینل شامل ہیں۔

ان کا ایک اور کارنامہ ایک ایسی عدالتی جنگ ہے، جو کہ SIUT vs Nestle کہلاتی ہے۔
جس میں ان کی رپورٹس نے عدالت کو مجبور کیا کہ سپر ہائی وے پر واقع میڈیکل سٹی کی زمین سے Nestle پانی نہ نکال سکے۔ ان ہی کی رپورٹ کی بدولت SIUT اور دیگر اسپتال یہ مقدمہ جیتے۔ SIUT کی پیروی مشہور جج قاضی فائز عیسیٰ نے کی۔ جو کہ اس وقت بحیثیت وکیل کیسز پریکٹس کرتے تھے۔
میں نے پوچھا کہ اگر دوسرا جنم ملے تو کیا بننا چاہیں گے؟ تو کہنے لگے کہ اسلامی جمعیت طلبہ میں رہتے ہوئے تاریخ کے پروفیسر۔ پاکستان کو ایسے ہی تعلیم یافتہ اور بہادر انسانوں کی ضرورت ہے جو کہ اپنے مقصد پر ڈٹے رہیں اور ملک وقوم اور معاشرہ کی خدمت میں دن رات ایک کردیں۔

اسی لئے ہم الکاظم منصور کو جیوٹیک کا بے تاج بادشاہ کہتے ہیں جو NED کے ایک نامور سپوت ہیں۔

☆☆☆

لے کر آئی تو وہ ان کی زندگی میں سب سے خوشگوار لمحہ تھا اور خوف کھاتے ہیں، اس وقت سے جب ان کی والدہ اس دنیا میں نہ رہیں۔ اس قسم کی سوچ جہاں خوشی اولاد کی کامیابی اور خوف ماں کا کھونا ہو تو صرف ایسے ہی گھرانے میں ہوسکتی ہے، جہاں رشتے کی اہمیت، احساسات کا تقدس اور باہمی محبت اگلی صف میں ہاتھ باندھے کھڑی ہو۔ اگر دنیا بھر کے پچاس کامیاب NEDians کی تاریخ مرتب کی جائے تو کوئی بھی مؤرخ اس میں سے آصف محمود کا نام نہیں نکال سکے گا اور یہی وصف اس کو میری کتاب میں بھی جگہ دیتا ہے۔ جو کہ میرے خاکہ کا عنوان بھی ہے کہ ''سید آصف محمود۔ ایک سچا پاکستانی''۔

☆☆☆

NED/AN-NA کا مان

انس جمال ہاشمی

NED کی سوسالہ تاریخ ایسے ان گنت طلبہ وطالبات سے بھری پڑی ہے، جو کہ مڈل کلاس گھرانوں سے اس مادرِعلمی میں آئے، اساتذہ نے ان پر محنت کی، ایک نئی شخصیت میں تراشہ اور ایک کارآمد شخص کی طرح انجینئر بنا کر پیش کردیا۔

ایسے ہی ایک گھرانے میں سید جمال اختر ہاشمی اور طیبہ جمال کے ہاں ایک بیٹے اور بیٹی کے بعد ایک فرزند پیدا ہوتا ہے جس کا نام انس رکھا جاتا ہے۔ اردو میں انس کے لغوی معنی ہیں، دوست، محبت کرنے والا اور نہایت سوشل۔ شاید اسی نام کا اثر تھا کہ نہ صرف اس نے تعلیمی میدان میں بلکہ عملی زندگی میں بھی ثابت کیا کہ یہ ایک محبت کرنے والا شخص، دوستوں کا دوست اور ایک گروہ کو اپنی قیادت میں چلانے والا فرد بنا، میری مراد انس جمال ہاشمی سے ہے۔ جو کہ میرے اس خاکہ کا عنوان ہے۔

1971 میں پی این ایس شفاء کراچی میں پیدا ہونے والے انس پیدائشی طور پر نارتھ ناظم آبادی ہیں، جو کہ اس زمانے کے پڑھے لکھے لوگوں کا مسکن ہوا کرتا تھا۔ انس نے اپنی تعلیم حسین ڈی سلوا ٹاؤن کی پہاڑی کے نیچے سینٹ جوڈز اسکول میں شروع کی ، پھر والد کی لیبیا میں ملازمت کی وجہ سے 1975-80 تک لیبیا میں تعلیم حاصل کی۔ میٹرک عائشہ باوانی سے اور پھر نیشنل کالج سے انٹرمیڈیٹ اور پھر خوابوں کی سرزمین NED۔1994 میں سول انجینئرنگ پاس کرلیا اور پھر ماسٹرز کے لئے نظرِانتخاب کیلی فورنیا کی برکلے یونیورسٹی ٹھہری۔ جہاں سے انہوں نے 1995 میں Structures میں ماسٹرز کیا۔

1997 میں شازیہ کو اپنا ہمسفر بنایا اور عرصے سے نیوجرسی، یو ایس اے میں مقیم ہیں۔ اللہ نے ان

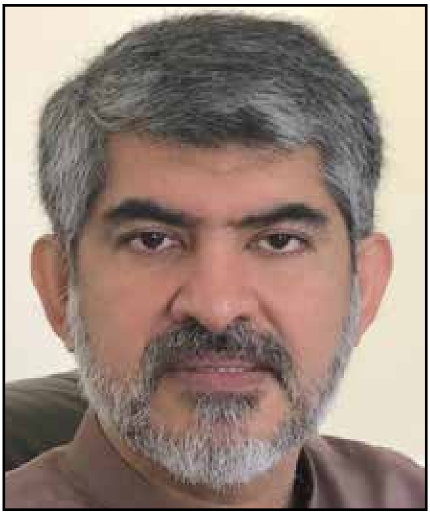

Anas Jamal Hashmi

کو دو خوبصورت اولادوں سے نوازا ہے۔ زنیرہ اور محمد۔ زنیرہ **Rutgers** یونیورسٹی سے کریمنل جسٹس سسٹم کی ڈگری یافتہ ہیں اور محمد گریڈ سیون کا طالبعلم۔

یہ تو ہوا ان کا ماضئ بعید اور ماضئ قریب اور حال۔ لیکن اس کتاب میں ان کی شمولیت ان کی **NED** المنائی کی وہ خصوصیات ہیں جو المنائی کے سفر کو ہماری جیسی پرانی نسل سے لے کر اگلی نسل کو منتقل کر رہی ہیں۔ شخصیات مرجاتی ہیں لیکن وہ سفر اور پروگرام آگے کی جانب چلتا رہتا ہے۔ جس میں نیا خون شامل ہوتا رہتا ہے۔ انس **NEDians** کا وہ قدرے نوجوان خون ہے جو کہ المنائی کی محفلوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرے گا۔

اسی محاذ پر انس ہاشمی نے ارشد رضوی کے ساتھ مل کر نیویارک کے علاقے میں رہنے والے **NED** المنائی کے لئے **2008** میں **NED Alumni Association of Tri State (NEDATS)** بنائی اور **2010** میں اس کے پہلے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور پھر **2013** اور **2019** میں پھر اسی عہدے پر منتخب کئے گئے۔ اس عہدے کے ساتھ ہی یہ **NEDIAN - NA** کے چیئرمین بھی ہیں جو کہ ان کی **NED** سے **commitment** کو ظاہر کرتا ہے۔ انس کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ اس گروپ میں شامل تھے جنہوں **NED International Alumni Network of North America (NEDIAN-NA)** کی تشکیل کی۔

تنویر عالم ملک کے ساتھ مل کر پہلے **Bylaws** بنائے اور اس تنظیم کو **Non-Profit** آرگنائزیشن کی طرح منظور کروایا۔ **2019** میں **NEDIAN-NA** کے خزانچی اور **2021** میں دوسالہ میعاد کے لئے **NEDIAN-NA** کے چیئرمین منتخب ہوئے۔

انس ہاشمی نے ثابت کیا کہ اگر کوئی اپنی مادرِ علمی سے حقیقی محبت کرتا ہے تو وہ نہ صرف زمانۂ طالبعلمی میں بلکہ اعلیٰ تعلیم کے بعد بھی ایک نہایت مصروف زندگی گزارنے کے باوجود اپنی مادرِ علمی کے لئے نہ صرف وقت نکال سکتا ہے بلکہ اس کو بلندی کی نئی منزلوں کی جانب بھی پہنچا سکتا ہے۔ اسی لئے میں انس کو **NEDIAN- NA** کا مان کہتا ہوں، جو کہ میرے اس خاکہ کا عنوان بھی ہے۔

☆☆☆

معمارِ کراچی

سلیم اظہر

25فروری1959 کومحمد اختر خالق اور سفیرہ بی بی کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے کا نام سلیم اظہر رکھا گیا۔آٹھویں تک ابتدائی تعلیم کینٹ پبلک اسکول کوئٹہ میں حاصل کر کے کراچی کے کینٹ پبلک اسکول سے میٹرک کیا۔

گورنمنٹ جناح کالج سے انٹرمیڈیٹ کے بعد NEDانجینئرنگ یونیورسٹی میں1978 میں سول انجینئرنگ میں داخلہ لیااور 1983میں سول انجینئرنگ کا تمغہ سجائے میدان عمل میں اتر گئے۔ NED میں گزارے گئے ماہ وسال نظریاتی کشمکش کے ماہ وسال تھے۔اسلامی جمعیت طلبہ نے اس چنگاری کو شعلہ جوالہ بنادیا۔طلبہ سیاست وخدمت کے ساتھ ساتھ مستقبل کی سیاسی اٹھان بھی واضح کردی اور جماعت اسلامی حتمی سیاسی منزل ٹھیری۔

کسے پتہ تھا کہ آنے والے برسوں میں عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ برسوں کے فاصلے لمحوں میں سمٹ جاتے ہیں۔ افشاں سلیم زندگی میں آئیں اور ایک نئی زندگی اپنے چیلنجز کے ساتھ سامنے تھی۔ NED سے فارغ ہوکرایک سال سرکاری نوکری کی۔ اندازہ ہوا کہ یہ ان کا میدان نہیں، پھرایک پرائیوٹ سول انجینئرنگ کمپنی میں جونیئر انجینئر سے فیصلے کے منصب تک پہنچے۔تیس سالہ عملی انجینئرنگ کا دور پورے پاکستان میں ترقی کا دور بھی رہا۔

وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ زندگی کے بہت سارے سال ابھی بلوچستان کے بے آب وگیاہ میدانوں، سنگلاخ پہاڑوں اور دور تک پھیلی ہوئی وادیوں اور نرم ونازک دل بلوچوں کے ساتھ گزارنا قسمت میں لکھا ہے۔ ایک دفعہ پھر بلوچستان میدان عمل ٹھیرااور عالمی بینک، یوایس ایڈ، اے ڈی پی، این ایم ڈی سی اور کے ایم ڈبلیو جیسے تیکنیکی اداروں کے تعاون سے بے شماراسکیمیں مکمل کرائیں۔

Salim Azhar

سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے، لیکن ان کی زندگی میں لگتا ہے کہ سفر ہی سفر لکھا ہے۔ پورا بلوچستان اور پاکستان کے دیگر علاقوں میں اپنی نگرانی میں بے شمار پروجیکٹس مکمل کئے اور تجربات میں اضافہ کیا۔ آسانی اور مشکلات ساتھ ساتھ چلتی ہیں اسی طرح خوشیوں اور غم کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بچوں کی پیدائش یادگار لمحہ خوشی تھے۔ چند سال پہلے ان کی اہلیہ کو کینسر کی تشخیص اور پھر انتقال ایک ایسا غم ہے، جسے یہ بھلانا نہیں چاہتے۔ ان کی اہلیہ نے ان کے بچوں کی تربیت میں کلیدی کردار ادا کیا اور آج ایک بیٹا تعلیمی میدان میں سول انجینئرنگ اور پھر پی ایچ ڈی کر چکا ہے۔ جبکہ دوسرا بیٹا جیوٹیک انجینئرنگ کر کے عملی میدان میں کام کر رہا ہے۔ اور بیٹی کینیڈا میں گریجویشن کر چکی ہے۔ بڑا بیٹا شادی شدہ ہے اور اللہ نے انہیں ایک پوتی سے بھی نوازا ہے۔ یہ سارے معاملات شکر کے بھی ہیں اور صبر کے بھی۔ جو اللہ نے انسانوں کو آزمانے کے لئے دیئے ہیں۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے۔

سیاست برائے خدمت جو جمعیت نے سکھائی تھی، وہ جماعت اسلامی میں بھی جاری رہی۔ اور 2001 میں اللہ نے شہر کراچی کی تعمیر اور ترقی کا موقع فراہم کیا۔ گلشن ٹاؤن کے نائب ناظم اور بعدازاں سٹی ناظم نعمت اللہ خان مرحوم کے تیکنیکی معاون کی حیثیت سے کراچی میں سیکڑوں ترقیاتی منصوبوں کو کم خرچ بالانشین کے اصول کے پیش نظر رکھتے ہوئے اور معیار پر سمجھوتہ کئے بغیر مکمل کرانے میں کلیدی کردار ہے۔ ان کی نظر میں یہ چار سالہ دور کراچی کی تاریخ میں سنہرے ادوار میں سے ایک ہے۔ جس میں ان کی پوری ٹیم نے زخم خوردہ کراچی کو از سر نو عروس البلاد بنانے میں جدوجہد کی جس کا اعتراف ان کے دوستوں کے ساتھ ساتھ حریف بھی کرتے ہیں۔

2006 میں کینیڈا آ گئے لیکن پھر 2012 واپس پاکستان چلے گئے۔ پاکستان آنے کے بعد جماعت اسلامی کے ادارے الخدمت کے سی ای او کی حیثیت سے ایک دفعہ پھر خدمت میں جٹ گئے۔ پاکستان واپسی پر چند دوستوں کے ساتھ مل کر **Hospitality Concepts** کے نام سے ایک کمپنی قائم کی اور ٹریول، ٹورازم اور **Culinary Arts** میں نوجوانوں کی تعلیم کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں۔

کراچی میں امیر جماعت اسلامی کے معاون ہیں اور اسی طرح یہ کراچی کی ترقی کے لئے ری بلڈ کراچی کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ اسی لئے میرے خاکہ کا عنوان ہے ''معمار کراچی۔ سلیم اظہر''۔

☆☆☆

ایک سچّا پاکستانی

سیّد آصف محمود (SAM)

مسئلہ یہ ہے کہ اس شخصیت کا خاکہ کہاں سے شروع کروں؟ آگرہ سے، جہاں ان کے والد کمشنر تھے۔ یا آئی سی ایس کی اس کلاس میں جا بیٹھوں جہاں سید ہاشم رضا اور ان کے والد سید عرفان علی دونوں کورس میٹ تھے۔ لیکن کیوں نہ میں آپ کو اس جہاز میں لے چلوں، جو 1947 میں انڈیا سے پاکستان قائداعظم کو لے کر کراچی کے ماری پور ائیر بیس پر اترا تو قائداعظم کے پیچھے آگرہ کے سابق کمشنر، آئی سی ایس کے بڑے افسر اور ایک محبّ وطن پاکستانی قائد کے ساتھ ساتھ تھے۔ آپ نے اس جہاز کا یہ منظر بلیک اینڈ وہائٹ ویڈیو میں بارہا دیکھا ہوگا۔ جہاں قائد کے سامنے ایک نئی قوم، ایک نئی منزل کھڑی ہے اور ان کے پیچھے اسی قوم کی خدمت کا جذبہ لئے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آنے والے سید عرفان علی، جو کہ صاحبِ خاکہ سید آصف محمود کے والدِ بزرگوار ہیں۔

سید آصف محمود، جو کہ دوستوں میں SAM کہلاتے ہیں، اپنے پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں ان کی کوئی بہن نہیں اور اسی ناطے سے اپنی ماں سعودہ خاتون کے نہایت چہیتے ہیں اور گھر میں منا بھی کہلاتے ہیں۔ اگر آپ کو سمجھنا ہو کہ پاکستان کے لئے لوگوں نے کس طرح اپنی جائیداد، رتبہ اور مرتبہ اور حیثیت قربان کی تو آصف کے خاندان کو دیکھئے۔ کہاں آگرہ کی کمشنری، دادی کی اکلوتی اولاد، ناز ونعم میں پرورش اور پھر ایک نئی مملکت میں بے سروسامانی، پاکستان بیرکس میں قیام، صرف ایک جوڑے میں کافی دن رہنا، اس کرب کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کہ محل میں سوئے اور صبح اٹھے تو کسی فٹ پاتھ پر بیدار ہو۔ لیکن یہ قائداعظم اور ان کے اولین ساتھیوں کا کمال ہے کہ انھوں نے مرتبہ اور حیثیت کے زوال کو اپنی کمزوری نہیں، بلکہ اپنی

قوت بنالیا۔اور پاکستان کی خدمت میں جٹ گئے۔

آصف کی والدہ بعد میں بحری جہاز سے پاکستان پہنچیں۔آصف 15 جولائی 1956 میں کراچی میں پیدا ہوئے،اس سے پہلے چار بھائی اور موجود تھے، جوکہ آنے والے وقتوں میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ،ڈاکٹر اور انجینئرز بنے یعنی اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر کسی کی جڑیں مضبوط ہوں تو موسم کے تغیر کے باوجود درخت کو ہرا بھرا رکھ سکتی ہیں۔گویا سید عرفان علی اور سعودہ خاتون اس گھرانے کے ایسے تناور درخت ثابت ہوئے کہ تعلیم کے میدان میں ''جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے''۔آصف محمود نے ابتدائی تعلیم سینٹ پیٹرک اسکول سے حاصل کی۔ پھر ڈی جے سائنس کالج اور اس کے بعد NED آ گئے، ظاہر ہے دنیا دیکھے ہوئے تھے اور طبیعتاً انقلابی بھی۔لہٰذا پی ایس ایف کی طرف رجوع ہو گئے۔اور اسی کے ہو لئے۔وقت گزرتا رہا، ماسٹرز کے لئے امریکہ آ گئے۔ یہاں سے پہلے میکینکل انجینئرنگ میں ماسٹرز اور پھر آپریشنل ریسرچ میں ماسٹرز کیا۔اس کے بعد Artificial Intelligence میں پی ایچ ڈی یعنی ڈاکٹریٹ کیا۔

اگر آپ آصف سے ملیں تو آپ کو بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ وہ کتنے قابل اور پڑھے لکھے انسان ہیں۔اپنی ذات میں اور رویے میں اس قدر انکساری ہے اور اردو اس قدر نفیس بولتے ہیں کہ شاید اردو میڈیم والے بھی نہ بول سکیں۔امریکہ میں ناسا میں خدمات انجام دیں اور مشہور زمانہ پیٹریاٹ میزائل جو عراق کویت جنگ میں استعمال ہوا،اس کی critic کمیٹی کا حصہ بھی رہے۔

امریکہ میں رہتے ہوئے انہوں نے ان منزلوں کا سفر کیا، جہاں عام آدمی کی پرواز کا تصور ہی کافی ہے، پاکستان آ کر ایسے اداروں سے منسلک ہوئے جو کہ ملکی دفاع کے لئے اہم ہیں اور اپنے تجربے اور تعلیم سے ملک وقوم کی جو خدمت ہو سکتی تھی، وہ انجام دی۔

آصف آج کل 100 میگاواٹ کے نوری آباد پاور پلانٹ کے مالک ہیں اس کے علاوہ مختلف اداروں اور کمپنیوں، فلاحی اداروں اور اپنے ملازمین کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ان سے میں نے جب بھی گفتگو کی تو ایسی اردوئے معلیٰ میں گفتگو کرتے ہیں کہ لگتا ہے کہ میر تقی میر یا میر انیس کی سنگت میں بیٹھے ہیں۔

ان کی بیگم ثروت جہاں ہیں اور تین اولادیں ہیں۔ بیٹا حسن علی میکینکل انجینئر ہے اور امریکہ میں قیام پذیر ہے، بیٹی مریم آئی بی اے میں ہے اور سب سے چھوٹی بیٹی سیدہ فاطمہ زہرہ O-Level کر رہی ہے۔زندگی کا سب سے خوشگوار لمحہ یاد کر کے کہتے ہیں کہ جب میری بڑی بیٹی A-Level میں سارے A

لے کر آئی تو وہ ان کی زندگی میں سب سے خوشگوار لمحہ تھا اور خوف کھاتے ہیں، اس وقت سے جب ان کی والدہ اس دنیا میں نہ رہیں۔ اس قسم کی سوچ جہاں خوشی اولاد کی کامیابی اور خوف ماں کا کھونا ہو تو صرف ایسے ہی گھرانے میں ہوسکتی ہے، جہاں رشتے کی اہمیت، احساسات کا تقدس اور باہمی محبت اگلی صف میں ہاتھ باندھے کھڑی ہو۔ اگر دنیا بھر کے پچاس کامیاب NEDians کی تاریخ مرتب کی جائے تو کوئی بھی مؤرخ اس میں سے آصف محمود کا نام نہیں نکال سکے گا اور یہی وصف اس کو میری کتاب میں بھی جگہ دیتا ہے۔ جو کہ میرے خاکہ کا عنوان بھی ہے کہ ''سید آصف محمود۔ ایک سچا پاکستانی''۔

☆☆☆

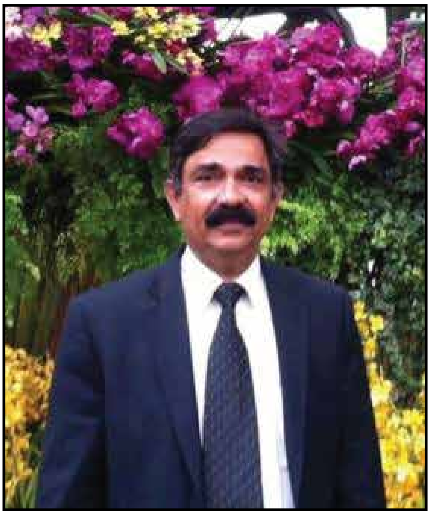

Syed Asif Mahmood

معمار این ای ڈی

شکیل الزّماں خان

1970 کی آخری دہائی میں NED میں ہر طرف پی ایس ایف کا چرچا ہے۔ ہر گلی اور ہر کوریڈور اور ہر کلاس میں پی ایس ایف کے تازہ دم دستے نئے طلبہ کو اپنی طرف متوجہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی بہت سے چہروں میں ایک ممتاز چہرہ ایک ایسے شریر، حاضر جواب، بذلہ سنج اور ہر گھڑی مدد کو تیار نوجوان طالبعلم کا ہے، جو کہ آدھی آستین کی قمیص پہنتا ہے اور اچھل اچھل کر چلتا ہے۔ اس کو ہم اور آپ سب شکیل الزماں خان کے نام سے جانتے ہیں۔

شکیل NED کا ایک ایسا روشن باب ہے، جس کی روشنی آج تک NED کے نیو کیمپس اور اولڈ کیمپس اور اس کی شاہراہوں پر سورج بنی اس کے آگے آگے چل رہی ہے یہ اس کتاب کا تیسرا خاکہ ہے جو میں اپنی مرضی سے لکھ رہا ہوں، اس سے پہلے سردار حنیف، ارشاد سلیم کے سلسلے میں بھی یہ گستاخی کر چکا ہوں۔ شکیل زمانۂ طالبعلمی سے میرا اور صوفیہ کا چھوٹا بھائی اور بیٹا ہے۔ اس نے متعدد بار کہا کہ اپنا پروفائل دو، لیکن یہ ہر مرتبہ وعدے کر کے نکل گیا اور کہتا ہے کہ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ۔

شکیل طلبہ سیاست میں ہمیشہ متحرک رہے اور اپنے آخری سال میں پی ایس ایف کے چیئرمین بھی بنے۔ تعلیم کے دوران ہی طالبات کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ گرلز کامن روم کو Zoom In کر کے اپنے سے جونیئر نائلہ سے شادی کر لی دو بیٹوں کے باپ ہیں۔ جو کہ دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔

شکیل کو جو بات دوسروں سے منفرد کرتی ہے۔ وہ اس کی NED نیو کیمپس میں مختلف کلاس رومز کی تعمیر جن میں

Old Campus Before Renovation

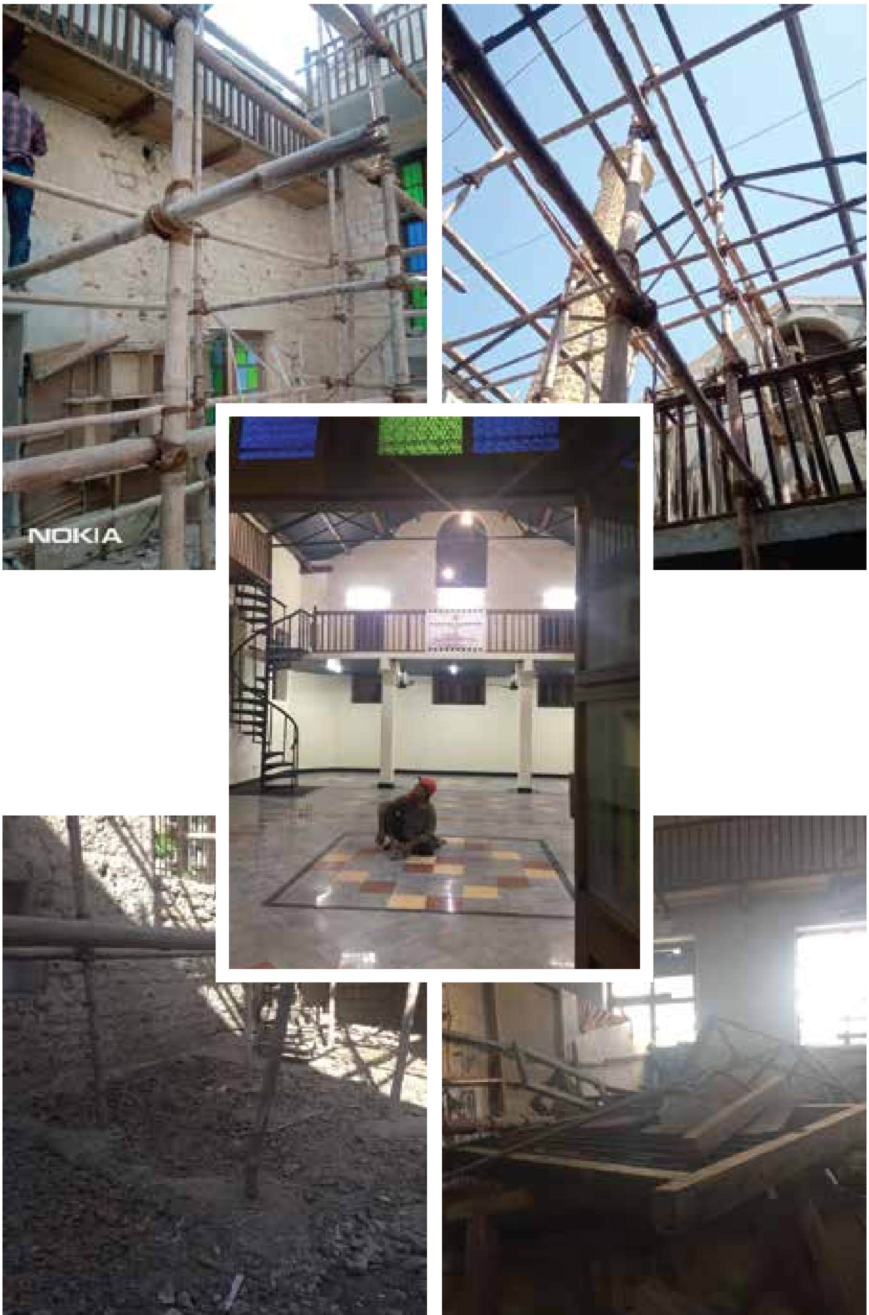

Old Campus After Renovation

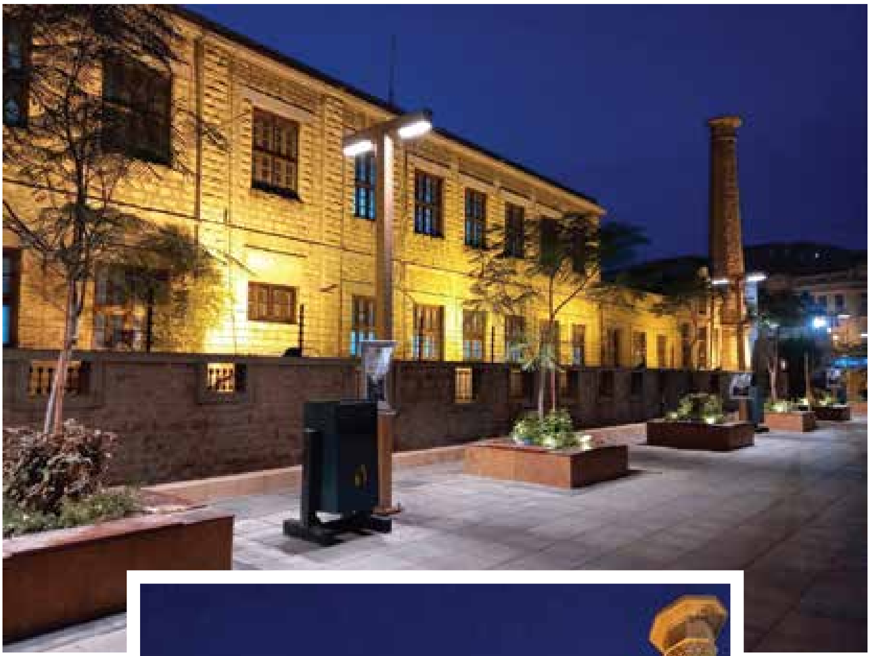

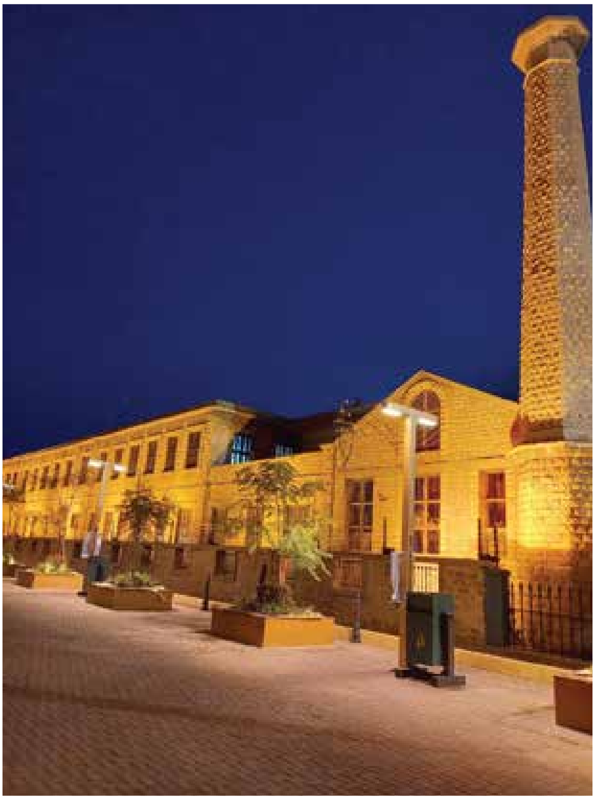

Shakil Uz Zaman

سے اکثر کی فنڈنگ بھی شکیل کے توسط سے ہوئی۔اور دوسری اولڈ کیمپس کے چمنی بلاک اور دوسری چیزوں کو ان کی اصل حالت پر بحال کرنا شامل ہے۔

NED میں بہت آئے اور بہت گئے ۔ بہت سے لوگ بڑی بڑی کنسٹرکشن کمپنیوں کے مالک بھی بنے ، نام بھی کمایا لیکن جو کمال شکیل نے دکھایا، اس کا موازنہ کسی بھی کامیابی سے نہیں کیا جاسکتا۔ دیگر نے NED سے نام کما کر اپنا بینک بیلنس بڑھایا اور شکیل نے اپنی جیب سے NED اولڈ کیمپس کو اس کی خوابی شکل میں بحال کیا جو کہ کراچی کی گرتی ہوئی قدیم عمارتوں کے ہجوم میں بچ جانے والی چند عمارتوں میں سے ایک ہے۔شکیل نے NED کے سارے تعمیراتی کام No Profit No Loss کی بنیاد پر کیے اسی لئے میرے خاکے کا عنوان ہے،''معمارِ NED۔شکیل الزماں خان''۔

☆☆☆

تعلیم کا مُحافظ

محمد خلیق نجمی

یہ کہانی بظاہر ایک عام سے طالبعلم کی کہانی ہے، جو کہ ایک مڈل کلاس گھرانے میں سن 1953 میں پیدا ہوتا ہے، اسکول، کالج اور پھر NED میں داخل ہوتا ہے، طلبہ پلیٹ فارم پی ایس ایف سے زندگی کا نظم وضبط، دوسروں سے اختلاف رائے کے باوجود باہمی احترام کیا ہوتا ہے، اسے سیکھتا ہے۔اور NED سے جہاں وہ 1974 میں داخل ہوا تھا، 1978 میں میکینیکل انجینئرنگ کر کے فارغ التحصیل ہوتا ہے۔ اس کے بعد پاکستان اور کینیڈا میں اپنی پروفیشنل مہارت دکھاتا ہے۔

زندگی کے خوبصورت لمحوں کو صرف چار نکتوں میں بیان کرتے ہیں۔ نمبر ایک۔ جب NED میں داخل ہوا، نمبر دو۔ جب 1982 میں شادی ہوئی، نمبر تین۔ 2001 میں کینیڈا آنے کے صرف چھ ماہ بعد کینیڈا کے Bruce Power پلانٹ میں نوکری۔ لیکن نکتہ نمبر چار اس کی اس کتاب میں شمولیت کی وجہ بنا۔ اور وہ ہے، 2018 میں کراچی کی کچی آبادی اورنگی ٹاؤن میں ایک اسکول کا قیام جو نہایت غریب بچوں کو تعلیم دے رہا ہے۔ نجمی اور ان کی بیگم نگہت نے نجمی فاؤنڈیشن کی بنیاد ڈالی، ایک ایسا پرانا گھر خریدا، جس میں صرف چار کمرے تھے اور ٹین کی چھت۔ لیکن عزم تھا کہ ان بچوں کو تعلیم دی جائے جن کے والدین تعلیم اور پیٹ بھر کھانے کے حصول میں کہیں گم ہو جاتے ہیں۔ صرف تین سال کے قلیل عرصے میں اپنی جیب سے اس کو ایک چار منزلہ عمارت میں تبدیل کر دیا جہاں چار سو بچے تعلیم پاتے ہیں۔ پندرہ کلاس رومز ہیں، بیس اساتذہ اور اسٹاف ہے۔ تمام ایلمنٹری بچوں کو یونیفارم مفت دیا جاتا ہے۔ تمام بچوں کو کورس کی کتابیں بھی مفت دی جاتی ہیں، اسکول فیس صرف ڈھائی سو روپے ہے وہ بھی اکثر والدین نہیں دے پاتے۔

Mohd Khalique Najmi

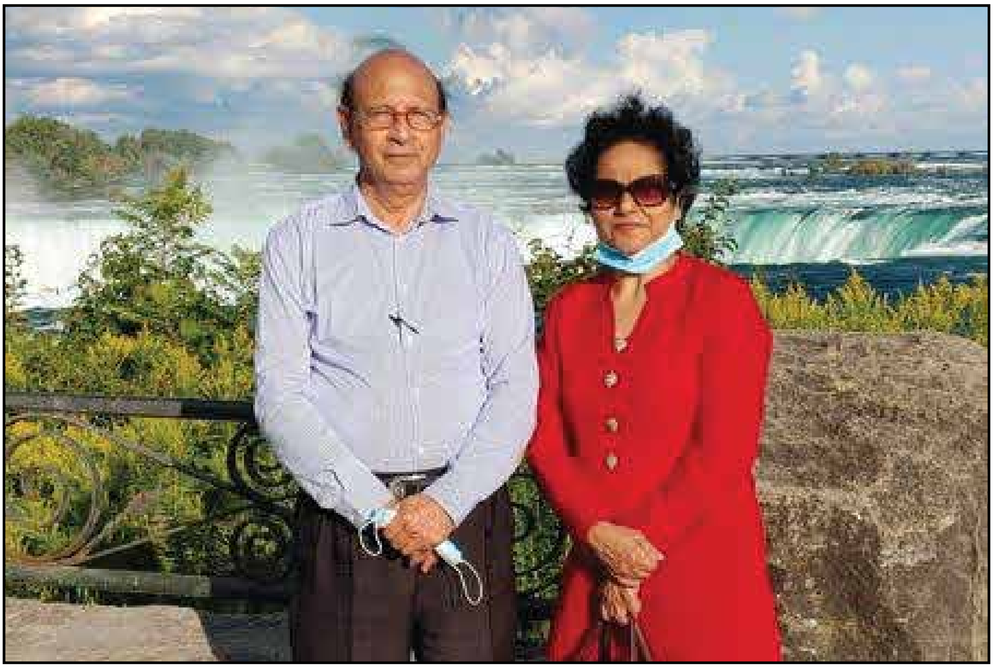

نجمی اوران کی بیگم اوران کا خاندان اپنی ذاتی جمع پونجی سے اس اسکول کو چلا رہا ہے۔ میں نے اس اسکول کا دورہ کیا ہے اور میں نے مقامی بچوں اور بچیوں کے چہروں پر جو وہاں ٹیچرز ہیں، جو غربت دیکھی ہے، کسی بھی باضمیر انسان اور ایک ایسے انسان کے لئے جو ایک نرم دل رکھتا ہے، رات کی نیندیں اڑا دینے کے لئے کافی ہے۔ ان بچوں کی آنکھوں میں اتنی مایوسی دیکھی کہ شاید وہ خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ نجمی کو لمبی حیات دے، اور صحت کے ساتھ وہ اور ان کی بیگم نگہت ایسے صاحب دل لوگوں کو جمع کر دیں جو کہ آنے والے وقتوں میں سب کی نہیں تو چند سو بچوں کی تعلیم کی شمع روشن کر سکیں اور نئی نسل کو غربت سے نکال سکیں۔ میں نے اپنے 1978 بیچ کے کافی لوگوں کو اس کتاب میں شامل کیا ہے لیکن نجمی اپنے اخلاص اور اپنی تاریخی سخاوت میں سب پر بازی لے گئے ہیں۔ ڈیفنس کی رہائش اور ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر غریب کی بات کرنا بہت آسان ہے، لیکن کراچی کی سڑکوں پر گاڑی کے ٹائر گھسیٹنے میں بہت فرق ہے اور یہی فرق مجھے مجبور کرتا ہے کہ نجمی کو اس کتاب کا حصہ بنایا جائے، بلاشبہ نجمی تعلیم کا محافظ ہی نہیں، دوسروں کے لئے مثال بھی ہے۔

☆☆☆

فارماسیوٹیکل انڈسٹری کا ہیرو

محمّد علی (تاؤ)

یہ واقعہ 1974 کا اور مقام ہے NED کا اولڈ کیمپس، جہاں اسٹوڈینٹس یونین کے انتخابات ہوا چاہتے ہیں۔ تمام طلبہ اپنی اپنی جماعتوں کی کامیابی کے لئے کوشاں ہیں۔ اولڈ کیمپس میں چمنی بلاک کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، جسے یونین آفس کہا جاتا ہے جہاں تمام سیاسی ورکر اپنے فارغ وقت میں آ کر بیٹھتے تھے۔ میرا وہاں جانا ہوا تو دیکھا کہ ایک لمبی مونچھوں والا نہایت تنگ لباس میں بیل باٹم پہنے ایک لڑکا تھرموڈائنامکس کی کتاب پڑھ رہا ہے اور ساتھ ہی کچھ نوٹس بھی لکھ رہا ہے۔ پہلے تو یہ حیرانی ہوئی کہ یہ کیسا سیاسی ورکر ہے جو یونین آفس میں بھی پڑھائی کر رہا ہے۔ جس چیز نے مجھے حیران کر دیا وہ اس کی ہینڈ رائٹنگ تھی، لگتا تھا کہ کاپی پر ستارے جگمگا رہے ہیں۔ اس لڑکے کا نام تھا، محمد علی جو کہ میکینکل انجینئرنگ کے دوسرے سال کا طالبعلم تھا جو آگے چل کر دوستوں میں محمد علی تاؤ کے نام سے مشہور ہوا اور یہی NEDian میرے اس خاکے کا عنوان بھی ہے۔

محمد علی یوپی، انڈیا کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے جہاں والد ایک نہایت تعلیم یافتہ شخص اور والدہ صرف ابتدائی تعلیم یافتہ تھیں۔ اسی ماں نے محمد علی اور دو بہنوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔ کیونکہ کسی بھی ماں کا تربیت کے لئے اس کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایک ذمہ دار بیوی اور محبت کرنے والی ماں کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے شاید عورت کو ماں کا درجہ دیا گیا ہے۔

محمد علی جب تین سال کے تھے تو والدین کراچی آ گئے اور پی آئی بی کالونی کو اپنا پہلا مسکن بنایا، ان کے والدین ایک جوائنٹ فیملی میں رہتے تھے جہاں لوگوں کی کل تعداد گیارہ تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب

دل بڑے اور گھر چھوٹے ہوتے تھے اور سب خوشی خوشی ساتھ رہتے تھے۔ یہ دنیا مطلبی دنیا میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ جہاں گھر بڑے اور دل چھوٹے ہو جائیں۔

محمد علی نے پیپی ہوم اسکول سے میٹرک کیا اور پھر ڈی جے کالج آ گئے۔ ڈی جے کالج میں اپنے کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش میں لگے رہے۔ کلاسز بنک کرنا، گیم روم میں بیٹھنا اور سگریٹ پینا اور کرکٹ کے ساتھ ساتھ بدمعاش نما دوستوں کی سنگت میں رہنا سیکھا۔ برنس روڈ کے کباب ہوں یا بسوں کا سفر، اس کو انجوائے کیا لیکن ماں کی تربیت ایسی تھی کہ اپنا ہدف NED میں داخلے کو ہی رکھا اور NED آ گئے چونکہ سیاسی مزاج رکھتے تھے لہٰذا فرسٹ ائیر میں سی آر کا الیکشن لڑا اور مستقبل کے ایک بہت بڑے NEDian سردار حنیف کو شکست دی۔ پہلے این ایس ایف اور پھر پی ایس ایف میں شمولیت اختیار کی۔

محمد علی کی کامیابی کی اصل کہانی NED سے نکلنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ پہلی ملازمت پاکستان اسٹیل مل میں کی اور چونکہ ڈی جے سے بدمعاشی کا تجربہ تھا، تو یہ اور بدر شکیب نقوی ایک بہت بڑے لیبر لیڈر سے لڑائی کر بیٹھے۔ اس کی لیڈری کا سارا بھرم نکال دیا۔ لیکن بعد میں خود بھی استعفیٰ دے دیا۔ ڈاکٹر جمیل جو کہ میکینیکل انجینئرنگ کے نگراں تھے، انہوں نے تھرموڈائنامکس کی لیبارٹری کو ازسرنو ٹھیک کروایا اور بحیثیت لیکچرر کے انہوں نے NED میں تھرموڈائنامکس پڑھائی بھی۔ اسی دوران ان کا یونیورسٹی آف سنسناٹی سے ایم ایس میں داخلہ آ گیا اور یہ امریکہ آ گئے۔

امریکہ آ کر ایک نئے محمد علی نے جنم لیا، 1981 میں ماسٹرز کیا اور ایک کاسمیٹک کمپنی میں شمولیت اختیار کر لی۔ پھر وہی ہوا، جو ہر نوجوان کی زندگی میں ہوتا ہے۔ 1985 میں یہ نازش کے حوالے کر دیئے گئے۔ ہم تمام دوست نازش کی ہمت کی داد دیتے ہیں۔ کہ جس شخص کو وہ بچپن سے دیکھ رہی تھیں اور اس کے قصے سن رہی تھیں، اس کے باوجود انہوں نے شادی کی ہاں کر دی۔

نازش اور محمد علی کی زندگی میں ایک ایسا بحرانی موقع بھی آیا جب 1999 میں محمد علی کو کینسر کی تشخیص ہوئی۔ ذرا تصور کریں، امریکہ میں قیام دونوں بچے نہایت چھوٹے، ماں باپ کراچی میں، نازش شکاگو میں اکیلی اور کینسر کی تشخیص۔ اس انکشاف نے سب کو ہلا کر رکھ دیا لیکن اللہ کے کرم، ماں باپ بہن بھائی اور نازش کی دعا اور محمد علی کی ہمت نے انہیں اس مشکل وقت سے نکال دیا۔ اور انہوں نے کینسر کو بھی شکست دے دی۔

محمد علی ہمارے ان NEDians میں سے ہیں، جنہوں نے فارماسیوٹیکل انڈسٹری میں اپنا نام بنایا اور وہ ایک ایسے equipment کی تیاری میں شامل رہے ہیں، جو کہ کینسر کی دوا بناتا ہے اور جس کا نام

Abroxin ہے جو کہ بریسٹ، پروسٹیٹ اور پرنکیا ٹک کینسر کا علاج کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی ایجاد ہے، جس میں محمد علی کا ذاتی تجربہ اور انتھک محنت شامل ہے جو کہ مارکیٹ میں کینسر کے علاج کی مجرب دوا ہے۔

علی کو کینسر اور دیگر دواؤں کے علاوہ ویکسین بنانے کا تجربہ ہے۔ انہوں نے ایک ویکسین Prevnar 13 بنانے میں حصہ لیا جو کہ آج کل مارکیٹ میں چھ مہینے سے لے کر سترہ سال کے بچوں کو ایک خاص قسم کے بکٹیریا سے محفوظ رکھنے کے لئے وقفے وقفے سے دی جاتی ہے۔

گزشتہ چھ سال سے ایک فارماسیوٹیکل کمپنی میں وائس پریذیڈنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ کے مختلف پروجیکٹس کو lead کرنا ان کے تجربے میں شامل ہے۔ آج اس بات پر شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ نے کینسر کی جنگ میں کامیاب کیا۔ آج دو بیٹوں جن میں ایک ڈاکٹر اور ایک Lawyer ہے شکاگو ہی میں مقیم ہیں۔ نازش ان کی پہلی اور آخری ترجیح ہیں۔ گولف کھیلتے ہیں اور اپنے پوتے کو لاڈ اور پیار میں بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محمد علی تاؤ یاروں کے یار، بے انتہا حاضر جواب اور بذلہ سنج دوست ہیں۔ اس سے مل کر اور نازش سے مل کر لگتا ہے کہ ہم جنم جنم کے دوست ہیں۔ میری دعا ہے کہ محمد علی اور نازش اپنی زندگی کا سفر اسی طرح ہنستے کھیلتے گزارتے رہیں جو کہ خواب کی مانند ہو اور ان کی آنکھ اس خواب میں کبھی نہ کھلے۔

☆☆☆

Mohd Ali Tau

ٹیلی کام انڈسٹری کا تاج

ندیم یونس

آپ مجھے بتائیں کہ میں ندیم یونس کا تذکرہ کہاں سے شروع کروں؟ جہلم سے جہاں یہ 5 اکتوبر 1960 کو حمیدہ یونس اور یونس صدیقی کے گھر پیدا ہوئے یا کراچی جہاں انہوں نے COD Convent سے ابتدائی تعلیم اور پھر نیشنل کالج سے انٹرمیڈیٹ کیا۔ یا پھر NED چلا جاؤں جہاں لاتعداد طلبہ کے جھرمٹ میں ایک ندیم پرورش پا رہا ہے۔ جو کے دوستوں اور ساتھیوں کا بھی ندیم ہے۔ ندیم کے لغوی معنی ہیں، زندہ دل ساتھی، ہردم ساتھ رہنے والا، گہرا دوست۔ اور اگر اس کے ساتھ یونس بھی لگ جائے جو ایک پیغمبر کا نام ہے تو ایسے شخص کی کامیابی کو کون روک سکتا ہے۔

چھ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور امی ابو کے لاڈلے۔ والد صاحب فوج سے وابستہ تھے، لہٰذا پس منظر فوجی۔ بدقسمتی سے والد ان کی کم عمری ہی میں انتقال کر گئے۔ اور چھ بہن بھائیوں کی کفالت ان کی والدہ کے کندھوں پر آ پڑی۔ والدہ نے انہیں اور سب بچوں کو بیک وقت باپ اور ماں بن کر پالا۔

کہتے ہیں کہ اگر ماں کا انتقال ہو جائے تو باپ سے بچے نہیں پلتے لیکن اللہ نے عورت کو وہ مقام اور حوصلہ دیا ہے کہ اگر وہ اکیلی بھی رہ جائے تو وہ تمام بچوں کی کشتی کو پار لگا دیتی ہے۔ یہی کچھ ندیم کی والدہ نے بھی کیا۔ ایسی ہی ماؤں کی بدولت شاید پروردگار نے ساری ماؤں کے پیروں کے نیچے جنت کو لا کر رکھ دیا ہے۔

ندیم کہتے ہیں کہ NED سے نکلنے کے بعد ان کی پہلی کوشش کارپوریٹ دنیا میں کام کرنے کی تھی، لہٰذا انہوں نے کے ای ایس سی میں شمولیت اختیار کی اور دس سال اسی ادارے میں رہے۔ اسی ملازمت کے دوران ان کی سمیتا سے ملاقات بھی ہوئی۔

1996 میں اپنا کاروبار شروع کیا اور ورلڈ بینک اور ایشین ڈیولپمنٹ بینک کے ساتھ مختلف پروجیکٹ کیئے، 2006 کی دہائی میں زندگی نے ایک اور کروٹ لی۔ اب یہ پاکستان کی کریز سے باہر نکل کر

Nadeem Yunus

ابوظہبی کی کمپنی خرید تے ہیں۔ Steelman Electro Mechanical LLC اوراس کے بینر تلے مختلف پروجیکٹس کرتے ہیں۔ پھر جب اس کام میں کامیابی ان کے قدم چوم لیتی ہے تو اللہ ان کو ایک اور موقع دیتا ہے اور یہ Redtone ٹیلی کمیونیکشن پاکستان میں شمولیت کرتے ہیں اور 2009 میں اسے خرید بھی لیتے ہیں جو کہ آج پاکستان کی بڑی کمپنیوں میں ایک ہے۔

جب انسان اپنی ماں کی دعاؤں سے کامیابی کا پہلا زینہ چڑھ لیتا ہے تو باقی منزلیں بھی آسان ہوہی جاتی ہیں 2010 میں Quantau Global بناتے ہیں اور 2012 میں ClickSat۔ جو کہ حکومت ابوظہبی کے تعاون سے ایک سیٹلائیٹ ہے اور آج تک یہ پاکستان کے واحد لائسنس یافتہ انٹرنیشنل سیٹلائیٹ آپریٹر ہیں۔ 2017 میں Redtone Digital قائم کی اور موجودہ دور میں ندیم یونس اس کے پریذیڈنٹ اور چیئرمین ہیں۔ جہاں ان کی چہیتی ماہ نور اس کی CEO ہے۔ اوران پر اوران کے کام دونوں پر نظر رکھتی ہے۔

اتنی کامیابیاں سمیٹنے کے بعد بھی کریڈٹ NED کی تعلیم ،اس کے ماحول اور دوستوں کو دیتے ہیں جو کہ ان کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ دنیا کسی کی ترقی کے بارے میں کچھ بھی کہے، وجہ انسان کی محنت اور ماں باپ کی دعاؤں کو کہے، لیکن ہر انسان کی زندگی میں اللہ ایک ایسا ٹرننگ پوائنٹ لاتا ہے جس سے اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ مجھے یہ یوں لگتا ہے کہ ندیم کی زندگی کی Trajectory اسی دن تبدیل ہوگئی تھی جب کے ای ایس سی کی ملازمت کے دوران ان کی سمیتا سے ملاقات ہوئی جو بعد میں جاکر ایک رشتے میں تبدیل ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ نیا رشتہ زندگی میں خوشیاں اور برکتیں لاتا ہے۔ یہی کچھ ندیم یونس کے ساتھ بھی ہوا 1995 میں سمیتا سے شادی کی اوران کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔ 1996 میں ان کے ہاں بیٹی ماہ نور پیدا ہوئی۔

اگر میں ندیم یونس کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کروں، تو پہلے حصے میں ان کی ماں ان کے پیچھے ڈھال بنی کھڑی ہیں، پھر 1995 میں سمیتا اوراس کے بعد ماہ نور۔ ندیم یونس کی کامیابی بلاشبہ ایسی تین خواتین کی مرہون منت ہے کہ اگر ان میں سے آپ کسی ایک کو بھی نکال دیں تو ندیم کی کامیابی کا سفر نامکمل اور ادھورا ہے۔ ندیم یونس کی ماں، 1996 میں بیٹی ان کے گھر میں جو رحمتوں کا نزول بن کر آئی تھی، وہ آج تک ان کے ہر کاروباری venture میں ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں اور ندیم یونس NED کے فارغ التحصیل طلبہ میں The Nadeem Younus بنا رہی ہیں۔ ندیم بلاشبہ پاکستان میں ٹیلی کام انڈسٹری کا تاج ہے۔

☆☆☆